ماہنامہ

دختران اسلام
لاہور

اپریل 2026ء

طبیعت و شریعت کا باہمی تعلق

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا فکر انگیز خطاب

"ادائیگی زکوۃ کا عمل میزانِ عقل میں"

پاکستان میں موسمیاتی تبدیلیاں اور طلباء کے لئے دشواریاں

خواتین، سوشل میڈیا اور اسلامی رہنمائی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کے 'حضور نبی اکرم ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ' کے موضوع پر منعقدہ
رمضان المبارک کی اخلاقی و روحانی تربیتی نشستوں سے خصوصی خطابات کی تصویری جھلکیاں

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 33 شمارہ: 4 / شوال/ذوالقعدہ ۱۴۴۷ / اپریل 2026ء

زیر سرپرستی

بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر

قرۃ العین فاطمہ

ایڈیٹر

ثناء وحید

مجلس مشاورت

لبنیٰ مشتاق
نور اللہ صدیقی
ڈاکٹر شاہدہ مغل
ڈاکٹر فرخ سہیل
مسز فریدہ سجاد
ڈاکٹر محمد اقبال چشتی

رائٹرز فورم

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی، آسیہ سیف
سعدیہ کریم، جویریہ سحرش
جویریہ وحید، سُمیّۂ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبدالسلام

فوٹوگرافی: قاضی محمود الاسلام

فہرس

اداریہ	(اسلام اور جدید دور میں خواتین کا فعال کردار)		06
خطاب	طبیعت و شریعت کا باہمی تعلق	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	08
	ادائیگی زکوٰۃ کا عمل میزانِ عقل میں	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	19
	خواتین، سوشل میڈیا اور اسلامی رہنمائی	سمیہ اسلام	32
	فقہی مسائل	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	39
	گلدستہ: پاکستان میں موسمیاتی تبدیلیاں اور طلباء کیلئے دشواریاں	مرتبہ: خدیجہ بتول	46
	دکھاوا اور ریاکاری	سعدیہ کریم	54
	الفیوضات المحمدیہ		61
	پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ مصر	خصوصی رپورٹ	63
	Reflection and Remembrance in Islam: Spiritual, Psychological and social Benefits (Hadia Saqib)		71

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدلِ اشتراک

قیمت فی شارہ -60 روپے

آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر

مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر

سالانہ خریداری -700 روپے

رابطہ ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور | فون نمبرز: 3-042-5169111 فیکس نمبر: 042-35168184

Visit us on: www.minhaj.info

E-mail:sisters@minhaj.org

فرمانِ الٰہی

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ.

(الحجرات،۴۹: ۱۱)

”اے ایمان والو! کوئی قوم کسی قوم کا مذاق نہ اڑائے ممکن ہے وہ لوگ اُن (تمسخر کرنے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں ہی دوسری عورتوں کا (مذاق اڑائیں) ممکن ہے وہی عورتیں اُن (مذاق اڑانے والی عورتوں) سے بہتر ہوں، اور نہ آپس میں طعنہ زنی اور الزام تراشی کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کے برے نام رکھا کرو، کسی کے ایمان (لانے) کے بعد اسے فاسق و بدکردار کہنا بہت ہی برا نام ہے، اور جس نے توبہ نہیں کی سو وہی لوگ ظالم ہیں۔“

(عرفان القرآن)

فرمانِ نبوی ﷺ

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَیْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِیُّ.

حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: پانچوں نمازیں اور جمعہ اگلے جمعہ تک اور رمضان اگلے رمضان تک سب درمیانی عرصہ کے لئے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں جبکہ اس دوران انسان کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی الله عنه اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: اَرَاَیْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ یَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ یَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ یَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَیْءٌ؟ قَالُوْا: لَا یَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَیْءٌ. قَالَ: فَذَلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ. یَمْحُو اللهُ بِهِنَّ الْخَطَایَا. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِیُّ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بتاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک دریا ہو جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس (کے بدن) پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا: اس (کے بدن) پر بالکل میل باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی مثال بھی ایسی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سبب (بندے کے سارے) گناہ مٹا دیتا ہے۔

(المنهاج السوی، ص:206)

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا
جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے
وہ قوم نہیں لائقِ ہنگامۂ فردا
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

(کلیاتِ اقبال، ضربِ کلیم، ص1024)

قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم وفد کی جانب سے غیر مبہم انداز میں یہ بات کہی کہ جب تک اقلیتی مسئلہ حل نہیں ہوجاتا کوئی دستور مرتب نہیں کیا جاسکتا۔

(گول میز کانفرنس، 26 نومبر 1931ء)

سیرتِ نبوی میں وسعتِ قلبی کا پہلو ہمیں ایسی متوازن اور ہمہ گیر شخصیت کا تصور دیتا ہے جس میں محبت، اعتدال اور انسان فہمی اپنی بلند ترین صورت میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ کامل شخصیت وہ ہے جو لوگوں کے مزاج، ضرورت اور حالات کو سمجھتے ہوئے گفتگو اور رویے میں توازن قائم رکھے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں دین اور دنیا کے درمیان ایک حسین ہم آہنگی دکھائی دیتی تھی، جہاں ہر شخص خود کو حضور ﷺ کے قریب، مطمئن اور قابلِ قدر محسوس کرتا تھا۔ یہی وسعتِ قلبی دراصل سیرتِ نبوی کا وہ روشن پہلو ہے جو ہمیں سکھاتا ہے کہ اعتدال، شفقت اور سماجی موافقت ہی انسانی تعلقات کو مضبوط اور بامعنی بناتے ہیں۔

(شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری)

اداریہ

اسلام اور جدید دور میں خواتین کا فعال کردار

ملک کی ترقی اور خوشحالی کا تعلق ہر فرد کی علمی، سماجی اور اقتصادی شرکت سے ہے، مگر خواتین کی شرکت کی اہمیت آج کے دور میں خاص طور پر نمایاں ہوگئی ہے۔ اسلام نے خواتین کو مردوں کے برابر عزت، حقوق اور ذمہ داریوں کے ساتھ ایک فعّال معاشرتی رکن کے طور پر پیش کیا ہے۔ قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی ﷺ میں واضح ہے کہ خواتین کو علم حاصل کرنے، معاشرتی فلاح کے کاموں میں حصہ لینے، اور اپنے معاشرے کی تعمیر میں سرگرم ہونے کی اجازت اور حوصلہ دیا گیا ہے۔ یہی تعلیمات آج کے جدید معاشروں میں خواتین کے کردار کو مزید بامعنی اور ضروری بناتی ہیں۔

ملکی ترقی کا دارومدار محض صنعتی یا اقتصادی اقدامات پر نہیں ہے بلکہ سماجی و اخلاقی ترقی پر بھی ہے۔ خواتین، جو معاشرتی اور گھریلو تربیت کا ستون ہیں، وہ تعلیم، صحت، تربیت اور معاشرتی ہم آہنگی کے شعبوں میں اہم کردار ادا کر کے قومی ترقی کو تیز کر سکتی ہیں۔ اگر ہم اپنے معاشرے میں خواتین کی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں، تو یہ نہ صرف معاشرتی توازن بلکہ اقتصادی خودمختاری اور اخلاقی استحکام کی بنیاد بھی بن سکتی ہیں۔ آج کے دور میں خواتین تعلیم، صحت، سائنسی تحقیق، ٹیکنالوجی، کاروبار اور سماجی خدمات کے شعبوں میں اپنی مہارتوں اور صلاحیتوں کو منوانے میں کامیاب ہو رہی ہیں۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں خواتین نے معاشی نمو، سائنسی جدت، اور سماجی انصاف میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان میں بھی خواتین کو یہ موقع فراہم کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے علم، ہنر اور صلاحیتوں کو

ملک کی خدمت میں لگائیں۔ خواتین کی قومی ترقی میں حصہ داری کے لیے سب سے پہلا اور بنیادی قدم تعلیم ہے۔ تعلیم یافتہ خواتین نہ صرف اپنی ذاتی زندگی بہتر بنا سکتی ہیں بلکہ اپنے بچوں، خاندان اور معاشرتی حلقے کے لیے بھی مثبت اثرات مرتب کرتی ہیں۔ معاشرتی اور مذہبی تعلیمات میں خواتین کو فعال کردار دینے پر زور دیا گیا ہے، اور آج کا جدید دور ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ تعلیمی سرمایہ کاری ہر معاشرت کی بنیاد ہے۔ خواتین کو اعلیٰ تعلیم، فنی تربیت، اور عملی مہارتوں کے مواقع فراہم کیے جائیں تو وہ کاروبار، صنعت، تحقیق اور سائنسی ترقی میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ دوسرا اہم پہلو خواتین کی اقتصادی شمولیت ہے۔ خواتین کی ملازمت، کاروبار یا خود مختار پیشہ ورانہ سرگرمیوں کو فروغ دینا معاشرتی ترقی میں انقلاب برپا کر سکتا ہے۔ اگر خواتین معاشی طور پر خود مختار ہوں، تو نہ صرف ان کا اعتماد بڑھتا ہے بلکہ گھر اور معاشرہ بھی مضبوط ہوتا ہے۔ اسلام نے خواتین کو معیشت میں حصہ لینے کا حق دیا ہے۔ خواتین کی چھوٹے اور بڑے کاروبار میں شرکت، ہنر مند تربیت، اور کاروباری مواقع پیدا کرنے سے ملک کی اقتصادی ترقی میں اضافہ ہوگا۔ تیسرا اور نہایت اہم پہلو خواتین کی سماجی اور اخلاقی ذمہ داریاں ہیں۔ خواتین معاشرتی اقدار، تربیت اور اخلاقی اصولوں کی بنیاد رکھتی ہیں۔ ایک تعلیم یافتہ اور باشعور خاتون نہ صرف اپنے گھر بلکہ اپنے معاشرے میں بھی فلاح اور استحکام لا سکتی ہے۔ قومی ترقی صرف مالی یا صنعتی نہیں بلکہ اخلاقی و سماجی ترقی پر بھی منحصر ہے۔ چوتھا اہم عنصر صحت اور فلاحی شعبے میں خواتین کا کردار ہے۔ خواتین کی صحت اور بچوں کی پرورش میں فعال شمولیت سے قوم کی سماجی اور جسمانی صحت میں بہتری آتی ہے۔ تعلیم یافتہ اور صحت مند خواتین نہ صرف اپنے خاندان بلکہ پورے معاشرے کے لیے رہنمائی فراہم کر سکتی ہیں۔ آج کے دور میں صحت، ماہر نفسیات، اور کمیونٹی سروس کے شعبے میں خواتین کی شرکت قومی ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

خواتین کی ترقی مردوں کے ساتھ تعاون اور ہم آہنگی سے ممکن ہے۔ خواتین کو حقوق دینے اور انہیں فعال کردار کے مواقع فراہم کرنے سے نہ صرف ملک کی ترقی ممکن ہوگی بلکہ معاشرتی ہم آہنگی، اخلاقی اصولوں اور مذہبی تعلیمات کی عملی پیروی بھی ممکن ہوگی۔ خواتین کو صرف گھر کی زینت سمجھنے کی سوچ کو ترک کر کے ان کی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا وقت کی ضرورت ہے۔

اسلام میں خواتین کو محض دُکاندار، ملازم یا خدمتگار کے طور پر نہیں بلکہ ایک بااختیار اور ذمہ دار شہری کے طور پر دیکھا گیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابیاتؓ نے اسلام کی ترقی اور معاشرتی خدمات میں تاریخی کردار ادا کیا۔ آج بھی ہمیں انہی تعلیمات کو زندہ کر کے خواتین کو ملکی ترقی میں ایک فعال ستون بنانا ہے۔

(ایڈیٹر: دختران اسلام)

طبیعت و شریعت کا باہمی تعلق

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا فکر انگیز خطاب

ترتیب و تدوین: ثناء وحید

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ.

"(اے حبیب مکرم!) آپ در گزر فرمانا اختیار کریں اور بھلائی کا حکم دیتے رہیں اور جاہلوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں۔" (الاعراف، 7: 199)

اس آیت کریمہ میں تین احکامات مذکور ہیں:

1۔ اللہ رب العزت نے عفو و در گزر اپنانے اور لوگوں کی کوتاہیوں و غلطیوں سے در گزر کرنے کا طرزِ عمل اپنانے کا حکم دیا ہے۔

2۔ لوگوں کو نیکی اور اچھائی کی دعوت و تبلیغ کرنے کا حکم دیا ہے۔

3۔ تبلیغ و اشاعتِ دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے دوران اگر کوئی برے طریقے سے رد عمل دے، ایسا طرزِ عمل اختیار کرے جو تکلیف دہ ہو اور Stressful ہو تو ان لوگوں کو اسی طرح جواب نہ دینے اور ان کی جہالت اکھڑپن، زیادتی اور نامناسب رویہ کو نظر انداز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی ان کے منفی یا دل آزردہ ردِ عمل پر صبر کرنا اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنا۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خُذِالْعَفْوَ کے ذریعے واضح فرمادیا کہ سب سے پہلے خود معاف کرنے والے بنو اور معاف کرنے کا سلیقہ سیکھو۔ پھر اس کے بعد وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ کے مصداق اسلام کی تعلیمات اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچانے کا عمل شروع کرو۔ آیتِ کریمہ کی اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات دوسروں تک پہنچانے سے پہلے معاف کرنا اور درگزر کرنا سیکھنا ہوگا۔ اس دوران اگر منفی ردعمل ملے جو دل کو ٹھیس پہنچائے تو وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ کے مصداق ایسے جاہلوں پر دھیان نہ دیں جو منفی جواب دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے متعلق اپنے دل میں یہ سوچیں کہ وہ نہیں جانتے۔

یاد رکھیں! یہ تینوں چیزیں محض شریعت کے احکام پر عمل کرنے سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ طبیعت کو بدلنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

ہمارے معاشرے میں دو قسم کے لوگ ہیں:

1۔ نافرمان: وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ ان کی زندگی میں اللہ کا حیا بھی نہ رہا، دین کی اہمیت بھی نہیں رہی اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ان کی زندگی بن گئی۔

2۔ فرمانبردار: وہ لوگ جو اللہ، اس کے رسول ﷺ اور شریعت کے تابعدار ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی میں یہ انتخاب کرلیا ہے کہ ہم دین کے مطابق چلیں گے۔ انہوں نے شریعت، اللہ کے احکامات پر عمل اور اس کے فرمانبردار اور اطاعت گزار بندہ بننے کے راستے کو اختیار کیا ہے۔

شریعت پر عمل کرنا ان لوگوں کے لیے آسان ہے جن کی زندگی میں اللہ کی فرمانبرداری کا غلبہ ہے۔ وہ لوگ جو جانتے اور سمجھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کے اطاعت گزار اور فرمانبردار بننا چاہتے ہیں اور جو پہلے ہی سیدھے راستے پر ہیں، ان کے لیے شریعت پر عمل کرنا آسان ہے۔ اس کے برعکس وہ لوگ جن کی زندگی میں اللہ کی فرمانبرداری کا غلبہ نہ ہو، ان کے لیے اپنی طبیعت اور مزاج و عادات کو بدل کر احکاماتِ الٰہیہ کی طرف متوجہ ہونا مشکل ہے۔

زیرِ نظر تحریر میں ہمارا مخاطب یہ دوسرا طبقہ ہے جو پہلے ہی سے چاہتا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمانبردار ہوں اور نیکی و اطاعت کے راستہ پر

چلیں۔پہلا طبقہ یعنی نافرمان، وہ بھی اگر اس تحریر سے استفادہ کرنا چاہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بھی نفع دے گا مگر اس وقت مخاطب وہ لوگ ہیں جو اپنی مرضی سے اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کے راستے کو اختیار کرچکے ہیں اور اس سمت مزید آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے، اللہ کے حکم کی اطاعت اور شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا راستہ اختیار کرلیا ہے۔

فرمانبردار لوگوں کے لیے نافرمان لوگوں کی نسبت شریعت پر عمل کرنا آسان ہے۔ ان کے لیے مشکل امر اپنی طبیعت کو بدلنا ہے۔جب یہ طبقہ اپنی طبیعت نہیں بدلتا، تو شریعت پر عمل کرنے سے ملنے والے فیوض و برکات سے نفع نہیں اٹھا سکتا اور جو نفع شریعت پر عمل سے انھیں ملنا چاہیے تھا، وہ اس سے محروم رہتا ہے۔

طبیعت کیا ہے؟

شریعت کے بارے میں ہم میں سے ہر ایک اپنے علم کے مطابق آگاہ ہے کہ اللہ کے احکامات پر عمل کرنا اور اس کی منع کی گئی باتوں پر عمل نہ کرنا، شریعت ہے جبکہ طبیعت کے بارے میں زیادہ لوگ علم نہیں رکھتے۔جس کے سبب ہم اس کی اصلاح کی طرف متوجہ نہیں ہوپاتے۔یاد رکھیں! انسانی جسم کے ظاہر کو صورت کہتے ہیں اور انسان کی باطنی شخصیت کو طبیعت کہتے ہیں۔یہی طبیعت کبھی سیرت کہلاتی ہے اور کبھی اسے فطرت بھی کہتے ہیں۔اگر اس کو مزید خاص کرنا چاہیں تو انسان کے اندر موجود (Inherent Characteristics) خصلتیں اور خوبیاں طبیعت کہلاتی ہیں۔اسی طبیعت سے مزاج نکلتا ہے۔

انسان کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ ایک ظاہری وجود رکھتا ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ ایک باطنی وجود بھی رکھتا ہے۔ظاہری وجود ہمارے تمام اعضاء پر مشتمل ہے، جن کے ذریعے ہم اپنی زندگی کے امور انجام دیتے ہیں۔جبکہ ہماری باطنی شخصیت تین امور پر منحصر ہے:

1۔نفس: ہمارا نفس کس طرح سوچتا ہے؟ کیا چاہتا ہے اور کیسے کام کررہا ہے؟
2۔عقل: دماغ کیا سوچتا ہے، کس طرح سوچتا ہے اور کس طرح کام کرتا ہے؟
3۔دل:دل کی خواہش کیا ہے، یہ خواہش کیوں پیدا ہوتی ہے اور دل کس طرح اس کی طرف راغب ہوتا ہے؟

یہ تینوں چیزیں الگ الگ بھی ہیں مگر ان کے نتیجے میں انسان کی جو شخصیت بنتی ہے، اسے طبیعت کہتے ہیں۔اسی طبیعت سے مزاج جنم لیتا ہے اور پھر اس مزاج سے اخلاق جنم لیتا ہے۔اس طرح ہماری طبیعت اور اخلاق سے ہماری باطنی شخصیت وجود میں آتی ہے۔

گویا اصل میں طبیعت؛ نفس، عقل اور دل کے امتزاج کو کہتے ہیں۔یعنی ہمارے نفس، دماغ اور دل، ان تین چیزوں کو جمع کرنے سے جو Invisible Entity وجود میں آتی ہے، اسے طبیعت کہتے ہیں۔ پس طبیعت سے مراد Inner personality یا moral personality ہے۔

انسان کی اصل اس کی باطنی شخصیت ہے

باطنی شخصیت (inner personality) انسان کی اصل ہے۔ اگر اصل ٹھیک نہ ہو تو احکامِ شریعت پر عمل کرنا نقل ہے۔اگر باطنی شخصیت صحیح نہیں ہے تو شریعت کے احکام پر عمل کرنا کام نہیں دیتا،اس لیے کہ اصل ٹھیک نہیں۔ شریعت کو اپنانا آسان ہے مگر طبیعت کا بدلنا مشکل ہے۔ جب طبیعت نہ بدلے مگر شریعت کے احکام پر عمل درآمد ہوتا رہے تو اس سے ثواب تو ملتا ہے اس لیے کہ نقل میں بھی ایک محنت ہے۔ مگر باطن میں انقلاب پیدا نہیں ہوتا اور مَن تبدیل نہیں ہوتا۔ شریعت کی فرمانبرداری جتنی اعلیٰ ہو تو یہ جنت میں لے جاتی ہے اور اگر طبیعت اعلیٰ ہو جائے تو وہ اللہ سے ملا دیتی ہے۔ شریعت جنت تک لے جاتی ہے اور اگر شریعت؛ طبیعت بن جائے تو طبیعت بندے کو مولیٰ تک لے جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت نے یہ بات سمجھائی ہے کہ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ دین کی دعوت دینے، اچھائی، نیکی، بھلائی، سچائی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات اور تعلیماتِ اسلام کی طرف لوگوں کو بلائیں مگر اس سے قبل "خُذِ الْعَفْوَ" اپنی طبیعت کو بدلیں۔ "خُذِ الْعَفْوَ" میں طبیعت ہے اور "وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ میں شریعت ہے۔اپنی طبیعت سنوارے بغیر جو شریعت کا حکم دے گا، اسے ثواب تو ملے گا مگر لوگ تبدیل نہیں ہوں گے۔ تبلیغ ہوگی مگر تاثیر نہیں ہوگی۔ اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ سے پہلے خُذِ الْعَفْوَ کو بیان کیا یعنی پہلے اپنا رویہ ٹھیک کرو۔ دعوتِ دین شروع کرنے سے پہلے دوسروں کی غلطیوں سے درگزر کرنا سیکھیں اور اچھے اخلاق،

ہمدردی اور محبت اختیار کریں، تب ہی دعوت اور تبلیغ مؤثر، فائدہ مند اور کارآمد ثابت ہو گی۔ یہ انسانی فطرت ہے لوگ تبلیغ، تقریر اور خطاب سے اتنا اثر نہیں لیتے، جتنا سیرت و کردار سے اثر لیتے ہیں۔جو تبلیغ کے ذریعے ہم کہنا چاہتے ہیں اگر وہ ہمارے اندر نظر آئے اور ہم وہ کر رہے ہوں تو اسے دیکھ کر لوگ جلد بدلتے ہیں اور اس کا اثر لیتے ہیں۔اس لیے اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

(الاحزاب، 33: 21)

”فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ (حیات) ہے۔“

خطباء، مبلغین، واعظین، اساتذہ، وارثانِ منبر و محراب، سوشل میڈیا کے محاذ پر سرگرم سکالرز، طلبہ و طالبات اور والدین یاد رکھ لیں کہ اگر ہمارے کیے اور کہے ہوئے میں مطابقت نہ ہو تو اس سے لوگ دین سے متنفر ہوں گے۔جس شخص کے کیے اور کہے میں تضاد ہے، اس کی زبان سے لوگ اور نوجوان نسل جب دین کی تعلیمات کو سنیں گے تو ان کی نفرت اس شخص سے نہیں بلکہ دین سے بھی ہو گی۔وہ اس بات سے بھی متنفر ہو جائیں گے جو اس نے کہی ہے۔وہ سمجھیں گے کہ یہ کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔یہ بظاہر؛ اچھا بننے، لوگوں سے نیکی کرنے، لوگوں کو معاف کرنے، درگزر کرنے، دل وسیع رکھنے، رحمت و شفقت سے پیش آنے، سچ بولنے، کسی کی بے عزتی و توہین نہ کرنے، ہر چھوٹے بڑے کی عزت کرنے، ہر ایک کا حیا کرنے، سخاوت کرنے، ادب کرنے، مہذب زبان استعمال کرنے، کسی کو گالی نہ دینے کا کہہ رہا ہے اور قرآن مجید و حدیث و سنت نبوی ﷺ کی تعلیمات کی تبلیغ کررہا ہے مگر اس تعلیم دینے والے کے اپنے اندر غصہ بھی بھڑک رہا ہے، وہ ہر ایک پر تنقید بھی کررہا ہے، وہ دوسروں پر تہمت بھی لگا رہا ہے، الزام تراشی بھی کر رہا ہے، فتوے بھی لگا رہا ہے، کافر بھی بنا رہا ہے، اسلام سے بھی نکال رہا ہے، اس کی طبیعت میں جمہوری رویہ بھی نہیں ہے، اچھا Behavior بھی نہیں ہے، Moral values بھی نہیں ہیں، patience بھی نہیں ہے، Self-control بھی نہیں ہے، Anger management

بھی نہیں ہے، generosity بھی نہیں ہے اور humanity بھی نہیں ہے۔ نتیجتاً اس کی شخصیت کے اس تضاد کے باعث نوجوان اس دین کے پیغام سے متنفر ہو جائیں گے جو وہ دے رہا ہے۔

شریعت پر عمل کرنا ان لوگوں کے لیے آسان ہے جن کی زندگی میں اللہ کی فرمانبرداری کا غلبہ ہے اور وہ لوگ جن کی زندگی میں اللہ کی فرمانبرداری کا غلبہ نہ ہو، ان کے لیے اپنی طبیعت اور مزاج و عادت کو بدل کر احکاماتِ الٰہیہ کی طرف متوجہ ہونا مشکل ہے

یہ المیہ امتِ مسلمہ کے ساتھ ہورہا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ تبلیغ کا اثر کیوں نہیں ہورہا ؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ تبلیغ کرنے والے خود شریعت کی بات کررہے ہیں لیکن ان کی اپنی طبیعت؛ شریعت سے متضاد ہے۔اس سبب سے لوگ دین سے متنفر ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں پہلے طبیعت کی بات کی اور بعد میں شریعت کی بات کی۔جب فرمایا خذ العفو، معاف کرنے والے بنو تو یہ بھی احکامِ شریعت میں سے ہی ایک حکم ہے مگر ایک ایسا حکم ہے جو طبیعت کو بدل رہا ہے، طبیعت کی تنگی دور کر رہا ہے اورطبیعت سے غصہ نکال رہا ہے۔ جس آدمی کی طبیعت میں غصہ ہے، وہ دوسرے کو معاف نہیں کر سکتا۔ اگر وہ بظاہر زبان سے معاف کر بھی دے مگر اس کا دل معاف نہیں کر رہا ہوگا، اس لیے کہ اس کے اندر گھٹن ہے۔ پس جس بندے کی طبیعت میں گھٹن ہے، وسعت نہیں ہے تو اس کا دین کی تبلیغ کرنا کوئی بھی اثرات مرتب نہیں کرتا۔

اس کے بعد پھر فرمایا: واعرض عن الجاھلین ؛جب طبیعت کو بدل کر شریعت کا حکم آگے پہنچائیں گے تو پھر استقامت بھی چاہیے۔اس لیے کہ بے شک تبلیغ کرنے والے نے برا بھلا کہنا چھوڑ دیا، دوسروں کو للکارنا، چیلنج کرنا اورالزام دینا چھوڑ دیااور ہر مثبت طریقہ اپنالیا، لیکن ابھی چیلنجز باقی ہیں۔اس لیے کہ اچھی و مثبت بات، شریعت کا پیغام اور تبلیغ کے جواب میں منفی ردعمل آئے گا۔ ممکن ہے لوگ منفی جواب دیں تو اس مرحلہ پر جاہلوں کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ان سے نہ الجھیں اور نہ رد عمل دیں بلکہ انھیں نظر انداز کریں۔

آیت مبارکہ کی ابتدا بھی معاف کرنے سے ہورہی ہے اور انتہا بھی معاف کرنے پر ہورہی ہے اور دونوں کے درمیان میں تبلیغ اور شریعت کا حکم ہے۔اس آیت مبارکہ

میں تین احکامات ہیں، جن میں سے دو احکام طبیعت سے متعلق ہیں اور ایک حکم شریعت کی تبلیغ سے متعلق ہے۔"خذ العفو، یہ حکم: طبیعت، معافی، وسعتِ قلبی، پیار و محبت اور سخاوت سے متعلق ہے اور آخری حکم "واعرض عن الجاہلین، صبر، ضبطِ نفس، دوسروں کی منفی باتوں کو نظر انداز کرنے اور ان سے اچھے طریقے سے معاملہ کرنے سے متعلق ہے۔ان دو احکام کے درمیان وامر بالعرف؛ شریعت کی تبلیغ کا حکم ہے۔گویا اس آیت کا دو تہائی حصہ (66 فیصد) طبیعت کے متعلق ہے اور ایک تہائی حصہ (33 فیصد) شریعت کے متعلق ہے۔

طبیعت سے خلق اور اخلاق پیدا ہوتا ہے اور یہ اس وقت کام دیتا ہے جب طبیعت سے "خذ العفو" کے مصداق تنگ نظری، تنگ ظرفی اور تنگ دلی ختم ہو جاتی ہے اور بندہ اپنے آپ سے ماوراء ہو کر سوچنے لگتا ہے۔ تنگ نظر آدمی always capturing himself یعنی ہمیشہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ جب کہ وہ شخص جس میں وسعت آجاتی ہے، اس کے من میں کوئی Stress ہوتا ہی نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ میں مذکورہ تینوں درجات؛ معاف کرنے کا رویہ، دین و شریعت کی تبلیغ اور دوسروں کے منفی رد عمل کو نظر انداز کرنا اور ان کی طرف سے کیا جانے والا ہر رد عمل برداشت کرنا، ان تینوں کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔اگر ہم دوسروں کے منفی رد عمل کے جواب میں منفی رد عمل دیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارے رویے اور طبیعت؛ شریعت کے قابو (Control) میں نہیں ہیں بلکہ لوگوں کے رویوں اور اعمال کے قابو میں ہیں۔ جب ہمارے کردار و عمل پر دوسروں کا کردار و عمل اثر انداز ہو اور ہمارا رد عمل دوسروں کے رد عمل سے پیدا ہو تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارا اپنی طبیعت پر کچھ کنٹرول نہیں ہے۔ گویا دوسرا جو کچھ کر رہا ہے، ہم اس میں Engage ہو گئے ہیں اور شریعت اور طبیعت کے اخلاص سے Disengage ہو گئے۔اس طرزِ عمل سے نکلنے کی ضرورت ہے اور اپنے آپ کو غلط لوگوں اور ان کے غیر اخلاقی رویوں سے متاثر ہو کر اُن جیسا عمل کرنے سے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کے بیان کے لیے مذکور الفاظ و حروف کا انتخاب اور ان کی حکمت

آیئے! اب قرآن مجید کی روشنی میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت کا جائزہ لیتے ہیں۔اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ.

(آل عمران، 3: 159)

اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم طبع ہیں، اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔

اس آیت کریمہ میں آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی طبیعت بیان کی گئی ہے۔اس آیت کریمہ میں استفہام کا مفہوم ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ آپ پر اللہ کی کیا عجیب رحمت ہے؟آپ ﷺ اتنے نرم خُو، ملائم اور شفقت بھرا دل رکھتے ہیں کہ یہ سارے لوگ جو ہر وقت آپ کے ارد گرد پھرتے ہیں، جھرمٹ بنائے رکھتے ہیں، آپ کو تکتے رہتے ہیں، آپ کے ایک اشارے پر گردنیں کٹوا دیتے ہیں، سیکڑوں زخم اپنے جسم پر کھا کر لہو لہان ہوتے ہیں مگر پھر بھی جب آپ بلاتے ہیں تو دوڑے چلے آتے ہیں۔اگر آپ سخت دل اور سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپ کو چھوڑ کر جا چکے ہوتے۔

اس آیت کریمہ کا ایک ترجمہ تو وہی ہے جو اوپر درج کیا گیا ہے مگر اس آیت کا ایک اور زاویہ بھی ہے جو ترجمہ میں موجود نہیں اور وہ اس آیت کا تجویدی و تعبیری زاویہ ہے۔قرآن مجید کو احسن انداز میں پڑھنے کے قواعد کا علم علمِ تجوید ہے۔ تجوید کے کچھ خاص قواعد ہیں۔ تجوید کے قواعد اور اس آیت کریمہ کے الفاظ و حروف اور معانی کے درمیان ایک خوبصورت مطابقت ہے۔آیت کریمہ کا پہلا حصہ: ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ''جس میں آقا ﷺ کی طبیعت بیان کی گئی، اس کے تجویدی قواعد، ان الفاظ کا مزاج و طبیعت اور ان کی تعبیری مطابقت اور ہے جبکہ دوسرے حصہ: ''وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ''اس حصے کے ہر ہر لفظ اور حرف کی تجوید کا مزاج اور طبیعت اور ہے۔

شریعت کی فرمانبرداری جتنی اعلیٰ ہو تو یہ جنت میں لے جاتی ہےاور اگر طبیعت اعلیٰ ہوجائے تو وہ اللہ سے ملا دیتی ہے۔ شریعت جنت تک لے جاتی ہے اور اگر شریعت؛ طبیعت بن جائے تو طبیعت بندے کو مولیٰ تک لے جاتی ہے۔

اللہ رب العزت نے اس آیت کے ان دو حصوں میں جو الفاظ اور استعمال کیے ہیں، ان الفاظ اور حروف کا معنوی اثر، معنی و تعبیر اور تجوید کے قاعدہ کا مزاج بالکل الگ ہے۔یعنی دونوں حصوں میں اللہ تعالیٰ نے حرف بھی الگ استعمال کیے ہیں اور ان کا

مزاج اور طبیعت بھی الگ ہے۔یہ قرآن مجید کا معجزہ ہے۔حروف کے مزاج کی سائنس تو آقاعلیہ السلام کے زمانے میں ایجاد نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی علمِ تجوید ایجاد ہوا تھا۔ان دونوں حصوں کے حروف کے مزاج کی خبر تو علم تجوید کے قواعد بنائے جانے کے بعد سامنے آئی اور اس وقت ان میں فرق کیا گیا۔اہلِ لغت، اہلِ تجوید اور اہلِ قرأت باریکیوں میں اترے تو لوگوں کو اس زاویہ سے سمجھ آئی مگر آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی طبیعت کے بیان کے لیے ان حروف کا استعمال کرنا کہ وہ حروف بھی طبیعت محمدی ﷺ کے عین مطابق ہیں اور آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی طبیعت کو ظاہر کرتے ہیں، یہ قرآن مجید کا معجزہ ہے۔آیئے! اس زاویہ سے اس آیت کا مطالعہ کرتے ہیں:

(1) فبما رحمة من الله لنت لهم؛ کا تجویدی و تعبیری تجزیہ

1۔اس آیت میں پہلا لفظ"فَبِمَا "ہے۔جس کا پہلا حرف "ف" ان حروف میں سے ہے جن کے اندر صفتِ ہمس پائی جاتی ہے۔ان حروف کو حروفِ مہموسہ کہتے ہیں۔صفتِ ہمس کا مطلب یہ ہے کہ یہ 10 حروف (ف، ح، ث، ہ، خ، ص، س، ش، ک، ت) Whispering tone میں آہستگی (Slowly) کے ساتھ بولے اور پڑھے جاتے ہیں۔جب ان حروف کو پڑھیں تو سانس بڑی آہستگی اور نرمی سے جاری رہنا چاہیے۔اس آیت میں چونکہ آقا علیہ الصلوۃ والسلام کی طبیعت کا بیان ہو رہا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی اس طبیعت کے بیان کو جن حروف سے ذکر کیا، ان میں بھی نرمی (softness) ہے۔اس حرف کے اندر ایک mercifulness ہے۔پس اس آیت کریمہ کا آغاز حروفِ "ف" سے کرکے اللہ تعالیٰ نےآقا علیہ الصلوۃ والسلام کی softness اور gentleness کا پیغام دیا۔

2۔"فَبِمَا "کے بعد فرمایا: "رَحۡمَةٍ "، یہ لفظ بذاتِ خود اپنے وجود میں محبت و شفقت پر دلالت کرتا ہے۔

3۔اس آیت میں ایک لفظ؛ لِنۡتَ استعمال ہوا ہے۔اس لفظ میں موجود حرف لام کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر حرفِ لام، اسمِ جلالت اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے استعمال ہو تو اس میں ترقیق ہوتی ہے یعنی یہ رقیق پڑھا جاتا ہے۔اس کی آواز باریک (thin) ہونی چاہیے، بھاری (thick) نہیں ہونی چاہیے۔پس لفظ"لِنۡتَ" میں لام بھی thin, light and whispering tone کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

4۔لِنْتَ کے لفظ میں دوسرا حرف ''نون ''ہے، اس کے اوپر جزم دے کے اس کی آواز کو بھی نرم کرتے ہوئے اس کا بھاری پن ختم کر دیا۔

5۔ لفظ لِنْتَ کی''ت'' بھی حروفِ مہموسہ میں سے ہے۔ گویا اس میں بھی humility اور softness ہے۔

6۔اس آیت میں ایک لفظ ''لَھُمْ ''ہے، اس کا پہلا حرف ''ل'' ہے، جسے یہاں بھی ترقیق (thin) پڑھا جائے گا۔

گویا اس آیت کریمہ کے پہلے حصہ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم میں آقا ﷺ کی طبیعت بیان کی گئی ہے اوراس میں اللہ تعالیٰ نے الفاظ کے اندر جو بھی حرف منتخب فرمایا، ان میں سے ہر ایک حرف نرمی اور رحمت کی صفت کا حامل ہے۔وہ بھاری نہیں بلکہ نہایت ہلکی اور لطیف آہنگ رکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت بیان کرنے کے لیے وہی حروف استعمال کیے جن حروف کی اپنی طبیعت بھی نرم اور مہربان لہجے کی ہے۔

(2) ولوکنت فظاغلیظ القلب لانفضوا من حولك کا تجویدی و تعبیری تجزیہ

آیئے! آیتِ کریمہ کے دوسرے حصہ؛ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ کا بھی اس طرح تجزیہ کرتے ہیں:

1۔اس حصہ میں''فَظًّا'' کا مطلب سخت جو اور سخت طبیعت ہے۔اس لفظ کا پہلا حرف؛ ''ظ'' ہے۔یہ حروفِ مستعلیہ میں سے ہے۔حروفِ مستعلیہ میں آواز بھاری اور اونچی ہوتی ہے۔ان کو ادا کرنے کے لیے نرم، دھیمی اور نازک آواز استعمال نہیں ہوتی۔ان حروف کے مزاج میں عالی پن، علو اوراونچا پن ہے۔جب یہ حروف پڑھے جاتے ہیں تو انہیں اونچی اور بھاری آواز میں پڑھا جاتا ہے۔

2۔اس آیت مذکور ایک لفظ ''غلیظ'' ہے۔اس لفظ کا پہلا حرف''غ'' بھی حروفِ مستعلیہ کے سات حروف (خ، ص، ض، غ، ط، ق، ظ)میں سے ایک ہے۔لفظ ''غلیظ'' کا آغاز بھی حروفِ مستعلیہ میں سے ''غ'' کے ساتھ ہے اور اختتام بھی حروفِ مستعلیہ میں سے ''ظ'' پر ہے۔

3۔''القلب'' میں''ق''اور ''ب'' دونوں حروفِ قلقلہ میں سے ہیں۔ان حروف کی ادائیگی میں جنبش پائی جاتی ہے۔یہ سکون کے خلاف ہے۔حروفِ قلقلہ کو Eco letters کہتے

ہیں۔ یہ اونچی آواز میں ادا کیے جاتے ہیں اور آواز پلٹ کر واپس آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ بات کی، وہاں ایک بھی بھاری اور اونچی آواز والا حرف استعمال نہیں کیا بلکہ سبھی الفاظ دھیمے اور خفیف مزاج والے استعمال کیے۔ جیسے حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت میں نرمی ہے، ویسے ہی بیان کردہ ہر لفظ او رہر حرف میں نرمی ہے۔ جہاں طبیعتِ محمدی ﷺ بیان ہو رہی ہے، ان الفاظ میں ''سکون'' کا اظہار ہے اور جہاں دوسرا انداز بیان کیا ہے، وہاں تحرک ہے۔

مفسرین نے تفاسیر میں اس موضوع کو کبھی بیان نہیں کیا۔ میری کتاب جو مقدمہ تفسیر قرآن پر ہے، میں نے اس میں قرآن مجید کے اعجازِ بیانی کے چند ابواب قائم کیے ہیں، اس کے اندر ان چیزوں کو جزوی طور پر بیان کیا ہے۔ وہ بیان بھی تجوید کے قواعد سے نہیں بلکہ بیان کے قواعد سے ہے اور وہ ایک مختلف رنگ ہے۔ سمجھانا مقصود یہ ہے کہ آقا علیہ السلام کی طبیعت کو رب العزت نے اس خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے۔ یہ راز جو میں نے ابھی بیان کیا، یہ عقدہ تو بعد میں اس وقت کھلا جب علمِ تجوید وجود میں آیا۔ یہ الفاظ اور حروف آقا علیہ السلام نے تو تشکیل نہیں دیے تھے بلکہ یہ تو اللہ کی وحی ہیں جو آقا علیہ السلام پر جبرائیل امین علیہ السلام لے کر آتے تھے۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ جہاں جو معنی درکار تھا، وہاں لفظ اور حرف بھی وہ استعمال ہوئے جن کے اندر معنی بھی وہی تھا۔

اس آیتِ کریمہ کے اس انداز سے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ نرمی آقا ﷺ کی طبیعتِ مقدسہ کا نمایاں اور nucleus point ہے۔ جو لوگ چاہیں کہ انھیں محمدی طبیعت کا فیض ملے اور وہ محمدی طبیعت، فطرت، مزاج اور اخلاق کی پیروی (follow) کرنا چاہیں، ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی طبیعت میں نرمی پیدا کرلیں اور اپنے اندر سے سختی کو دور کرلیں۔

(جاری ہے)

ادائیگی زکوۃ کا عمل میزانِ عقل میں

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ (الحج، 22: 41)

"(یہ اہلِ حق) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار دے دیں (تو) وہ نماز (کا نظام) قائم کریں اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کریں اور (پورے معاشرے میں نیکی اور) بھلائی کا حکم کریں اور (لوگوں کو) برائی سے روک دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"

قرآن حکیم میں 82 مقامات پر باری تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا ذکر کیا ہے، جس طرح اہل ایمان پر نماز فرض ہے اسی طرح اپنے مال سے مقررہ حصہ زکوٰۃ نکالنا بھی فرض ہے۔

یہ آیہ کریمہ ایک اسلامی حکومت کے چار فرائض کو بیان کرتی ہے۔

۱۔ اقامت الصلوۃ ۲۔ ایتائے زکوٰۃ

۳۔ امر بالمعروف ۴۔ نہی عن المنکر

اسلامی معاشرے کا امتیاز یہی ہے وہاں نظام صلوۃ کا قیام بھی نظر آتا ہے۔ نظام زکوٰۃ کا نفاذ بھی دکھائی دیتا ہے اور افراد معاشرے کی تعمیری صلاحیتوں کو فروغ دینے کے لیے امر بالمعروف کا ماحول

بھی میسر آتا ہے اور سوسائٹی کے تمام افراد کو ہر قسم کے جرائم اور برے اعمال سے بچانے کے لیے نہی عن المنکر کا نظام بھی بڑا موثر اور فعال دکھائی دیتا ہے۔ نماز انسان کی باطنی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کرتی ہے جبکہ زکوٰۃ انسان کی مادی اور جسمانی حاجتوں کی کفیل ہوتی ہے۔ روحانیت اور مادیت کا حسین امتزاج ہی اسلامی حیات کا امتیازی اور تفرداتی پہلو ہے۔ زکوٰۃ اسلام کا کل اقتصادی نظام نہیں ہے بلکہ اس کے اقتصادی نظام میں اس کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے۔

زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے معاشرے کے ضرورتمندوں اور حاجتمندوں کی بنیادی ضروریات کی کفالت کی جائے اور معاشرے سے حرام کمائی کے جملہ راستوں اور تمام ذریعوں کو مسدود کیا جائے۔ حتیٰ کہ معاشرے کے ہر شخص کو جائز پاکیزہ اور حلال رزق فراہم کیا جائے۔ شریعت اسلامی نے معاشرے کے ہر صاحب استعداد اور صاحب مال پر زکوٰۃ کو فرض کیا ہے کہ وہ سالانہ بنیادوں پر اپنے جمع شدہ مال میں سے اڑھائی فیصد کے حساب سے مال نکال کر اجتماعی طور پر حکومت کے بیت المال میں جمع کرادے تاکہ معاشرے کے مفلوک الحال (Have nots) اور محتاج افراد کی ضروریات کو پورا کیا جاسکے۔ اگر اسلامی معاشرے کے سارے متمول اور صاحب ثروت افراد اس فرض کو ایمانی جذبے سے نبھاتے رہیں تو اس عمل سے ان کا مال پاک و حلال ہو جائے گا اور دوسری طرف معاشرے کے ضرورتمندوں کی معاشی حاجت بھی پوری ہو جائے گی اور یوں معاشرہ بہت سی برائیوں اور جرائم سے پاک ہو جائے گا۔ زکوٰۃ کا عمل ایک متوازن اور معتدل معاشرے کو جنم دیتا ہے۔ اس لیے کہ نماز انسان کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرتی ہے۔ جبکہ زکوٰۃ انسان کی مادی حاجتوں کی تکمیل کرتی ہے۔ (ڈاکٹر طاہر القادری، ارکان اسلام، منہاج پبلی کیشنز، ص 519)

اقامت صلوٰۃ اسلام کا روحانی نظام بن کر اچھائیوں کو فروغ دیتی ہے جبکہ ایتائے زکوٰۃ کا عمل اسلام کے معاشی نظام کا مرکزی حصہ بن کر معاشرتی جرائم اور سماجی برائیوں کا انسداد کرتا ہے۔ معاشرے کی ساری برائیاں اس کے غیر متوازن، غیر معتدل اور ظالمانہ اقتصادی نظام سے جنم لیتی ہیں، غیر متوازن معیشت معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے اور یہ خود معاشرے کی تباہی اور بربادی کی علامت بن جاتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن گردش دولت کے تصور کے ساتھ واضح کرتا ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ۔ (الحشر، 59: 7)

"یہ نظام تقسیم دولت اس لیے ہے تاکہ سارا مال و دولت تمہارے صرف مالداروں کے درمیان ہی گردش نہ کرتا رہے۔"

جب معاشرے میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے اور چند خاندان دولت کے ارتکاز کا مرکز و محور بن جاتے ہیں تو انسانی معاشرہ تیزی سے اپنی تباہی کے راستے پر گامزن ہو جاتا ہے۔ دولت کا ارتکاز انسانوں کو انسانیت سے نکال کر فرعونیت اور قارونیت کے لبادے میں لے جاتا ہے۔ جس سے معاشرہ متزلزل اور غیر متوازن ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ کے باب میں یہ حقیقت بھی واضح رہے کہ یہ دنیا دار المحن اور دار الابتلاء اور دار الامتحان ہے جس کی بنا پر زکوٰۃ میں اپنا کمایا ہوا خرچ کرنا ہوتا ہے جس کے حوالے سے قرآنی فکر کے مطابق دو طرح کی انسانی سوچ پائی جاتی ہے۔ ایک سوچ انسان کو کہتی ہے یہ تمہارے پاس سارا کچھ اور مال اللہ کے فضل اور عطا سے ہے۔ اس مال کے تم مالک نہیں ہو بلکہ امین ہو اور امین کی ذمہ داری یہ ہے کہ مالکِ حقیقی کی رضا اور خوشنودی کے لیے اس مال کو اس کی راہ میں خرچ کر دے اور دوسری طرف یہ سوچ ہے کہ یہ مال میرا کمایا ہوا ہے۔ میری محنت اور کاوش کا ثمر اور نتیجہ ہے۔

لہذا میں کیوں اپنا مال غریبوں، محتاجوں، سائلوں اور محروموں پر خرچ کروں۔ پہلی سوچ انسان کو کہتی ہے کہ شکرانِ نعمت کے طور پر اللہ کا عطا کردہ مال خرچ کر دو اور اس سے زکوٰۃ نکال دو۔ دوسری سوچ انسان کو یہ کہتی ہے کہ بالکل خرچ نہ کرو۔ یہ تمہاری اپنی کمائی اور آمدنی ہے یہ دوسری سوچ کا حامل شخص جب صبح بیدار ہوتا ہے تو اس کا باغ راکھ کا ڈھیر بن چکا ہوتا ہے۔ اسے عبرت انگیز تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ملتا جبکہ پہلی سوچ والا صدقہ و خیرات اور انفاق فی المال کی وجہ سے اللہ کی امان میں آکر ان تمام مصائب و آلام سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لیے جب زکوٰۃ مال سے نکالی جاتی ہے تو یہ اس مال کی تطہیر اور انسانی نفس کی تہذیب کا باعث بنتی ہے۔

زکوٰۃ کے اس تصور کو اس کا لغوی مفہوم بھی موید ہے کہ لفظ زکوٰۃ پاکیزگی طہارت یا پاک صاف رہنے یا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ لفظ زکوٰۃ کا دوسرا معنی نشو و نما اور بالیدگی کا ہے جس میں کسی چیز کے بڑھنے پھیلنے پھولنے اور فروغ پانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ زکوٰۃ کے یہ دونوں معانی اس آیت میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا۔ (الشمس، 91: 9، 10)

”تحقیق جس نے تزکیہ نفس کیا وہ کامیاب ہوا جو معصیت میں مبتلا ہوا وہ خائب و سر ہوا۔“

اس آیہ کریمہ کا اطلاق مال زکوٰۃ پر بھی ہوتا ہے۔ یہ مال زکوٰۃ انسانی نفس کو حرص و لالچ، بخل و طمع، دولت کی اندھی محبت و چاہت اور دولت کی خاطر ہر قسم کی زیادتی و ظلم سے بچاتا ہے۔ مال و دولت کا استعمال اور عدم استعمال اس کی تطہیر اور تغلیظ، طہارت اور عدم طہارت، پاکیزگی اور عدم پاکیزگی، طمع اور عدم طمع، سخاوت اور بخل کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ دولت کی مثال پانی کی سی ہے اگر

پانی کسی جگہ جمع ہو کر دیر تک رکا رہے اور اس کا نکاس کا کوئی بندوبست وانتظام نہ ہو تو اس میں تعفن و بدبو پیدا ہو جاتی ہے تو وہ پانی جو اپنی اصل میں صاف و شفاف، حیات بخش اور صحت افزا تھا مگر متعفن ہونے کی وجہ سے بیماری کا گھر اور موت کا سامان بن جاتا ہے۔ پانی کو صاف و شفاف، حیات بخش اور صحت افزا رکھنے کا طریقہ یہ ہے اس کو ایک جگہ زیادہ دیر تک جمع نہ ہونے دیا جائے اور اس کے نکاس کا خاطر خواہ انتظام ہوتا رہے۔

مال کے حوالے سے زکوٰۃ کو بھی پانی کی مثل حاصل ہے اگر مال و دولت اور سرمایہ سے زکوٰۃ کی صورت میں گردش دولت اور نکاس مال کا انتظام نہ کیا جائے تو یہ مال و دولت انسان کو قارونیت اور فرعونیت کے لبادے میں ملبوس کر دیتے ہیں۔ بندہ، بندہ ہی نہیں رہتا، وہ کثرت دولت کے بل بوتے اور دولت کی چمک دمک اور قوت کی بنا پر بندہ ہونے کی بجائے خدا بننے کا دعویدار ہو جاتا ہے اور دوسرے انسانوں کے لیے اندھی قوت و طاقت کا ایک عذاب بن جاتا ہے اور مالی قوت کی بنا پر شیطان صفت ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ انسانی مال سے نکل کر اس مال کو طاہر و مطہر کر دیتی ہے۔ اس لیے باری تعالیٰ نے زکوٰۃ کے عمل تطہیر کو قرآن میں یوں واضح کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا۔ (التوبه، 9: 103)

”آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ، زکوٰۃ وصول کریں تاکہ آپ اس (صدقہ وزکوٰۃ کے ذریعے ان کے مالوں کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں اور ان کو برکت بخش دیں۔“

وہ رب جس نے انسان کو مال و دولت کی نعمت عطا کی ہے وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کو مال و دولت کی پاکیزگی و طہارت اور اس میں خیر و برکت اور اضافے و بڑھوتری کا باعث بنا دیتا ہے تاکہ ہماری آنکھیں زکوٰۃ کی ادائیگی کو مال کی کمی اور نقصان نہ سمجھتی رہیں جبکہ مال دینے والا رب اس عمل زکوٰۃ کو ہمارے اس مال کی تطہیر اور خیر و برکت اور اضافے و بڑھوتری کا سبب بنا دیتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی بندگی کو مولا کے حکم کی اطاعت میں رنگ کر اس کی عطاؤں اور نوازشوں کا مزید مشاہدہ کریں۔ زکوٰۃ دینے کے عمل کو قرآن اپنے عمومی اسلوب میں انفاق فی سبیل سے تعبیر کرتا ہے۔ زکوٰۃ جس مال سے ادا کی جائے رب کا وعدہ ہے زکوٰۃ سے مال کم نہیں ہوگا بلکہ وہ مال خیر و برکت کے ساتھ مزید بڑھے گا۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ م بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰ تَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ج فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ط وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ (البقرہ، 2: 265)

"اور جو لوگ اپنا مال اللہ کی رضا حاصل کرنے اور اپنے آپ کو (ایمان و اطاعت پر) مضبوط کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ کی سی ہے جو اونچی سطح پر ہو اس پر زوردار بارش ہو تو وہ دوگنا پھل لائے اور اگر اسے زوردار بارش نہ ملے تو (اسے) شبنم (یا ہلکی سی پھوار) بھی کافی ہو، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔"

اس آیہ کریمہ میں باری تعالیٰ زکوٰۃ کے حوالے سے عمل انفاق کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے۔ سب سے پہلے زکوٰۃ میں انفاق کی نیت ابتغاء مرضات اللہ کی رضا اور خوشنودی کی ہو جب اس نیت و ارادے سے مال خرچ کیا جائے تو عملی زندگی میں اس کی اہمیت کو گلستان و باغ کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے اور ایسا باغ جو کسی بلند جگہ پر لگایا گیا ہو، جہاں لگاتار اور مسلسل بارشیں ہوتی ہوں تو وہ باغ بارش کی کثرت کی بنا پر زمین کو زرخیز بنا کر سال میں دو مرتبہ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ثمر آور ہوتا ہے۔ کیونکہ بارش کی کثرت پھل کو کثرت سے لانے کا باعث بن جاتی ہے اور دوسری صورت اس باغ کے پھل دار اور ثمر آور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس باغ پر بارش نہ بھی برسے تو بھی اس کے لیے شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے اور یہ شبنم عموماً بلند ٹیلوں اور پہاڑیوں پر پڑتی ہے۔ جب باغات میں شبنم گرتی ہے تو یہ بارش کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔

غرضیکہ وہ باغ ہر صورت میں پھل ضرور لاتا ہے۔ خواہ اس پر بارش برسے یا نہ برسے اس باغ کے لیے تو صرف شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے اور یوں وہ باغ اپنا پھل ضرور لاتا ہے۔ راہ خدا میں خرچ کرنے کا معاملہ بھی کچھ اسی طرح ہے وہ رب اپنی بارگاہ میں سے خرچ کرنے والے کو بے حد و بے حساب اجر و صلہ عطا کرتا ہے۔ انفاق فی الزکوٰۃ کا عمل پھل کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے جب تک باغ کو بارش یا شبنم پہنچتی رہتی ہے اس کی پیداوار مسلسل بڑھتی رہتی ہے اور یہ پھل اپنی مقدار میں کئی گناہ زیادہ ہوتا ہے اور اس پھل میں اضافہ صرف اور صرف بارش کے متواتر اور شبنم کے مسلسل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یوں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ زکوٰۃ کا عمل مال و دولت میں بے پناہ اضافے اور روحانی و جسمانی استعداد صلاحیت کو تقویت دینے کے لیے ہوتا ہے۔ زکوٰۃ کے ذریعے جہاں ثواب بڑھتا ہے وہاں اس کے عملی نفاذ سے معاشرے سے معاشی تعطل کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اسی طرح قرآن ایک اور مقام پر اپنے مالوں میں سے زکوٰۃ نکالنے اور زکوٰۃ کی صورت میں عمل انفاق کو اپنانے کی اہمیت کو یوں اجاگر کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ (البقرۃ، 2: 261)

"جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال (اس) دانے کی سی ہے جس سے سات بالیاں اگیں (اور پھر) ہر بالی میں سو دانے ہوں (یعنی سات سو گنا اجر پاتے ہیں) اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے (اس سے بھی) اضافہ فرما دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔"

اس آیہ کریمہ میں باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو کس قدر خوبصورت اور دلکش اور حسین پیرائے میں انفاق کے عمومی عمل اور زکوۃ کے لیے عمل انفاق کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ زکوۃ کے لیے ایک روپیہ، ایک دینار، ایک درہم، ایک ڈالر خرچ کرنا ایسے ہی ہے جیسے ایک دانہ زمین میں بونا اور کاشت کرنا ہے۔ جب اس ایک دانے حبۃ کو زمین میں بویا جائے تو وہ اپنے تنے واپنی شاخ میں سات بالیوں اور خوشوں کی صورت میں برگ و بار لاتا ہے۔ اس ایک دانے کی سات بالیوں اور خوشوں میں سے ہر یالی اور خوشہ گندم اپنے اندر ایک سو دانے کو اپنے دامن میں لیے ہوئے کھیت کے سینے پر خود کو لہراتا ہے اور اپنے خالق کی شان خالقیت اور شان قدرت کی گواہی دیتا ہے۔ زکوٰۃ کا وہ عمل انفاق جو ایک دانے حبۃ سے شروع ہوا وہ سبع سنابل سات بالیوں میں متشکل ہوا پھر وہ سات بالیاں سبع سنابل میں سے ہر یالی فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ سو دانوں کی حامل ہوئی۔

گویا ایک دانہ حبۃ مائۃ حبۃ کی شکل اختیار کر گیا۔ باری تعالیٰ کی عمل انفاق میں یہ عطا اور اجر عمومی ضابطہ عطا کے مطابق ہے جبکہ وہ رب اپنے مخلص لہ الدین دین میں اخلاص رکھنے والے بندوں اور اس کی بندگی میں کمال پانے والے بندوں کو اس عمومی ضابطے سے ہٹ کر عطا کرتا ہے۔ جس کو قرآن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَاللهُ يضاعِفُ لِمَن يشا

"اور جس کو وہ رب چاہتا ہے اس عمومی ضابطے سے بڑھ کر عطا کرتا ہے۔"

جیسے جس بندے کو چاہتا ہے اسے رزق بے حساب دیتا ہے۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (البقرۃ، 2: 212)

"اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب نوازتا ہے۔"

باری تعالیٰ نے زکوٰۃ ہو یا صدقہ و خیرات ہو یا کسی بھی نیکی اور خیر کا عمل انفاق ہو۔ حتی کہ اگر کسی شخص نے کسی کے ساتھ کوئی اچھائی اور بھلائی ہی کیوں نہ کی ہو اس کے لیے ضابطہ حیات یہ دیا ہے۔ اپنی نیکی اور خیر کو لوجہ اللہ کیا کرو۔ انسانوں سے اس نیکی و خیر کے کسی صلے کی توقع نہ کیا کرو اور ان پر احسان مت جتلایا کرو اور ان کو طرح طرح کی اذیت و تکلیف دے کر بارِ احسان میں مت لایا کرو۔ پس اس نیکی و خیر کو خدا کی طرف سے توفیق جانتے ہو اس کے صلے اور اجر کی توقع اور امید فقط اپنے مولا سے ہی رکھا کرو۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى۔ (البقرہ،2: 264)

"اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دُکھ واذیت دے کر مت کیا کرو۔"

زکوٰۃ کو باری تعالیٰ نے اہل ایمان کی زندگیوں میں اس لیے فرض کیا ہے کہ انسان اپنے نفس کی وجہ سے طبعی طور پر حرص و لالچ کی طرف زیادہ میلان اور رغبت رکھتا ہے۔ دنیوی زندگی کی زینت اور کشش میں سے سب سے بڑی چیز مال و دولت ہے۔ اس لیے انسان مال کی شدید چاہت رکھتا ہے۔ قرآن اس حقیقت کو بھی بیان کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ (الفجر، 89: 20)

"اور تم مال و دولت کی حد درجہ محبت رکھتے ہو۔"

اب یہ مال کی بے پناہ اور شدید محبت انسان کے اندر اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی صفت سوء بخل کو جنم دیتی ہے۔ اب اسی بخل کی وجہ سے وہ سونے و چاندی اور دیگر دنیوی مال و دولت کو زیادہ سے زیادہ جمع کرتا ہے اور ان کو خرچ نہیں کرتا ہے اس لیے قرآن ان لوگوں کی حالت کو یوں بیان کرتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (التوبۃ، 9: 34)

"اور وہ لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔"

جب اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا یہ عمل عدم انفاق ان میں پروان چڑھنے لگتا ہے تو ان کے اندر بخل کی بڑی خصلت پنپنے لگتی ہے اور یہ بخل بہت سی بداخلاقیوں کی اساس اور جڑ بن جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انسانوں کے اندر خیانت اور بددیانتی آتی ہے، بے مروتی اور بے رحمی کی خصلت آتی ہے۔ اس سے دوسرے انسانوں کے ساتھ بدسلوکی و بدتمیزی پروان چڑھتی ہے۔ حرص و طمع میں اضافہ ہوتا ہے۔ لالچ اور تنگ نظری بڑھتی ہے کم ہمتی اور بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ یہ ساری برائیاں زکوٰۃ نہ دینے کی بخل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ انسان کے عمل بخل کے حوالے سے متعدد آیات میں وعید آئی ہے، بخل کی عادت انسان کو جنت سے محروم کرکے دوزخ کی طرف لے جاتی ہے اور انسان کو اللہ کی محبت سے محروم کرتی ہے۔ یہ اس رب کا اپنے بندوں پر احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو بخل اور اس سے پیدا ہونے والی برائیوں سے بچانے کے لیے ان پر زکوٰۃ کو فرض کیا ہے تاکہ زکوٰۃ ان کے نفوس کو بخل جیسی بری خصلت سے پاک کردے۔ (پروفیسر خدا بخش، اسلامی اخلاق و تصوف، ایورنیو بک پیلس لاہور، ص 131)

باری تعالیٰ نے اہل ایمان کو صراحۃً حکم دیا ہے کہ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ ارشاد فرمایا:

وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِىْٓ اٰتٰىكُمْ۔ (النور، 24: 33)

”اور تم انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں عطا فرمایا ہے۔“

اسلام تو انسان کے پاس ہر مال کو اس کی ملکیت مطلقہ میں نہیں رکھتا ہے، اس لیے ملکیت مطلقہ تو فقط اللہ کے لیے ہے۔ انسان کے پاس مال اللہ کی عطا کردہ امانت ہے۔ باری تعالیٰ بندوں کو اس مال میں تصرف کرنے کے لیے مختلف حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر اس کو عارضی طور پر اس مال کا مالک بناتا ہے جبکہ حقیقتاً وہ بندہ اس مال کا امین ہوتا ہے۔ کوئی امانت کسی کے پاس اس وقت تک ہی رہتی ہے جب تک اس امانت سے دوسرے لوگوں کو نفع پہنچتا رہتا ہے اور اس امانت کے جملہ حقوق ادا ہوتے رہتے ہیں اور اگر کوئی اس امانت میں خیانت کرنے لگے اور اس امانت کے جملہ حقوق میں کوتاہی برتنے لگے تو اس کے اس غیر ذمہ دارانہ اور استحصالی رویے کی بنا پر وہ امانت اور نعمت واپس لے لی جاتی ہے۔ یوں انسان پر فقر و فاقہ اور افلاس و مجبوری کے سائے دراز ہو جاتے ہیں۔ اپنے مال سے زکوٰۃ کو پابندی سے نکالنا اور اسے اس کے حقداروں میں خرچ کرنا ہی اللہ کے مال کی امانت کا حق ادا کرنا ہے۔ اگر یہ حق کماحقہ ادائیگی سے محروم ہو جائے اور اس امانت میں خیانت کا سلسلہ شروع ہو جائے تو یوں اس نعمت امانت کو پانے والا اس سے محروم ہو جاتا ہے۔ (ڈاکٹر طاہر القادری، قرآنی فلسفہ انقلاب، منہاج پبلی کیشنز، ص 154)

زکوٰۃ کا مال از روئے شرع انفاق واجبہ میں سے ہے اسلام تو اس سے بھی آگے کی بات کرتا ہے کہ انفاق نافلہ کے طور پر بھی اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو اس حوالے سے قرآن تصور عفو دیتا ہے کہ جو کچھ تمہاری ضرورت سے زائد ہے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ اس لیے فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ- (البقرہ، 2: 219)

”وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں آپ فرما دیجیے جو ضرورت سے زائد ہے
اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔“

زکوٰۃ بندے پر اللہ کا حق شکرانہ ہے۔ رب نے اپنے بندے کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے۔ انسان کی عقل و خرد کہتی ہے کہ اپنے منعم کے لیے عمل تشکر ادا کیا جائے۔ اس لیے بندہ مومن اپنی زبان کے ذریعے الحمدللہ اور الشکرللہ کے کلمات سے اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ کبھی اپنے سارے جسم و وجود اور اپنے کل اعضا کو اس کی نعمت پر شکرانے میں معروف کر دیتا ہے۔ نماز میں تکبیر تحریمہ، رکوع، سجدہ، قیام اور تعوذ کر کے شکرانہ ادا کرتا ہے۔ حج میں جملہ مناسک حج اور طواف و رمی کر کے حقِ شکر ادا کرتا ہے۔ غرضیکہ ہماری ساری کی ساری عبادات اللہ کے شکرانے کا نام ہیں۔ اپنے مال سے زکوٰۃ نکال کر اور زکوٰۃ دے کر بندہ در حقیقت اللہ کی بارگاہ میں فعل شکرانہ ادا کرتا ہے کہ وہی رب ہے جس

نے اس بندے کو اپنی زندگی میں فقر و فاقہ کے پنجوں سے نجات دی ہے جس نے اس کو کسی کا محتاج نہیں بنایا ہے۔

جس نے اس بندے کو کسی کے در کا سوالی اور منگتا نہیں بنایا ہے اور جس نے اس بندے کو فقیر و سائل بن کر ہر کسی سے دست سوال دراز کرنے والا نہیں بنایا ہے، جس نے اس کو مانگنے کی ذلت سے بچایا ہے اور کمینوں کے بخل کی زنجیروں میں خود کو جکڑنے سے محفوظ کیا ہے خوشی کے تہواروں کے مواقع پر بھی اس کو در در کا سوالی نہیں بنایا ہے۔ اس کے کپڑوں کو بوسیدہ و دریدہ نہیں بنایا ہے۔ اس کو دنیوی زیب و زینت کی ہر چیز عطا کی ہے، اس کے دستر خوان کو اپنی نعمتوں سے خالی نہیں رکھا ہے اور اس کو مال و دولت کی کثرت اور فراوانی عطا کی ہے۔ اب یہ کسی کے سامنے سوال نہیں کرتا ہے بلکہ کسی سوال کرنے والے کو اپنی نعمت مال سے دے کر اللہ کی نعمت کا شکرانہ بھی ادا کرتا ہے اور اس کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہیں ہونے دیتا ہے، زکوٰۃ دینے کی صورت میں یہ فعل شکرانہ مال میں زیادت اور کثرت کا باعث بنتا ہے۔ جس کی تائید و تصدیق نص قطعی سے ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ۔ (ابراهيم، 14: 7)

”اگر تم میری نعمتوں پر شکر ادا کرو میں ان میں مزید اضافہ کروں گا۔“

خلاصہ کلام

دین اسلام در حقیقت اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا دوسرا نام ہے۔ نماز میں بندہ اپنے رب کی محبت اور خشیت کی طرف مائل ہوتا ہے جبکہ زکوٰۃ میں بندہ دوسرے بندوں کی محبت اور شفقت کی

طرف متوجہ ہوتا ہے۔ عربی زبان میں لفظ زکوٰۃ، پاکیزگی، طہارت، بڑھوتری اور برکت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شریعت اسلامی میں زکوٰۃ ایک مخصوص مال کے ایک مقررہ حصے کو کہا جاتا ہے جو سالانہ بنیادوں پر مال سے نکالا جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے لفظ زکوۃ کے متبادل الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جن میں صدقہ، صدقات اور انفاق کے الفاظ بھی لفظ زکوٰۃ کے مفہوم میں آتے ہیں۔ (اردو انسائیکلوپیڈیا)

زکوٰۃ کا مقصد فلاح عامہ ہے اور ریاست کے ہر شہری کی بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی ہے۔ (ڈاکٹر طاہر القادری، قرآنی فلسفہ انقلاب، منہاج پبلی کیشنز، لاہور، ص 147)

مستحق لوگوں تک زکوٰۃ کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے تاکہ اس کے ہر باشندے کو بنیادی ضروریات کے حق میں برابر کا شریک ہونے کی وجہ سے اس کو اس کا لازمی حق ملے۔ گویا ہر صاحب حق کو اس کا حق فراہم کرنا زکوٰۃ کی فرضیت کا بنیادی اور مرکزی نقطہ نظر اور مقصد ہے۔ زکوٰۃ در حقیقت زندگی بسر کرنے کے لیے ایک مال ہے اور مال قیام حیات کا ضامن بنتا ہے۔ اس لیے باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا۔ (النساء، 4: 5)

"مال جن کو باری تعالیٰ نے تمہاری معیشت کی استواری کا باعث بنایا ہے۔"

مال انسانی زندگی کے لیے سرمایہ، زاد راہ اور سامانِ زیست ہے۔ اس لیے حکم دیا اس مال کو معاشرے کے ہر ہر فرد تک اس طرح گردش میں رکھو جیسے انسانی جسم کے ہر ہر عضو میں خون کی گردش رہتی ہے۔ جہاں خون نہیں پہنچتا وہ عضو معطل ہو جاتا ہے اور جہاں مال نہ ہو وہاں چوریاں اور ڈکیتیاں ہوتی ہیں۔ دجل بازیاں اور دھوکے سازیاں بڑھنے لگتی ہیں۔ معاشرے میں حرام خوری، بدعنوانی، ناجائز منافع خوری، شیطنت کاری اور فساد انگیزی بڑھنے لگتی ہے۔ اس لیے اپنے مال سے غریبوں، ناداروں، مفلسوں، یتیموں، بیواؤں، بے سہاروں کا حصہ نکالنا انسانی عقل کا لازمی تقاضہ ہے تاکہ معاشرہ جرائم سے پاک ہو جائے اور مالداروں کے مال سے غریبوں کا حق زکوٰۃ کی صورت میں نکلنے جانے سے وہ مال پاک ہو جائے اور باعث خیر و برکت ہو جائے اور مزید نمود بڑھوتری والا ہو جائے۔ زکوٰۃ دینے سے انسان کے وجود سے خود غرضی، تنگ دلی اور زبردستی کا خاتمہ ہوتا ہے۔ انسانی روح کو پاکیزگی اور بالیدگی حاصل ہوتی ہے۔ زکوٰۃ انسان کے مال کو پاک اور اس کے نفس کا تزکیہ کرتی ہے۔

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰی۔ (اللیل، 92: 18)

"جو اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے کہ (اپنے جان و مال کی) پاکیزگی حاصل کرے۔"

زکوٰۃ خود برضا و رغبت بھی دی جاتی ہے اور حکومتی نظم و نسق کے تحت بھی ادا کی جاتی ہے۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا۔ (التوبة،9: 103)

''آپ ان کے اموال میں سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجیے کہ آپ اس (صدقہ) کے باعث انہیں (گناہوں سے) پاک فرمادیں۔''

معاشرے کے ناداروں، مفلسوں، محتاجوں اور غریبوں کو زکوٰۃ دینے کا مقصد منتہا صرف اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی ہونا چاہیے۔

وَمَآ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ۔ (الروم،30: 39)

''اور جو مال تم زکوٰۃ (وخیرات) میں دیتے ہو (فقط) اللہ کی رضا چاہتے ہوئے تو وہی لوگ (اپنا مال عنداللہ) کثرت سے بڑھانے والے ہیں۔''

زکوٰۃ معاشرے کے امیروں سے لی جاتی ہے اور سماج کے غریبوں اور ضرورتمندوں کو دی جاتی ہے۔ امیروں کے مالوں

میں غریبوں کو حقدار اور حصہ دار خود باری تعالٰی نے بنایا ہے:

وَفِيۡٓ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ۔ (الذاریات،51: 19)

اور اُن کے اموال میں سائل اور محروم (سب حاجت مندوں) کا حق مقرر تھا۔''

زکوٰۃ دینے کے عمل کو قرآن نے عمل خیر قرار دیا ہے۔

هُوَ خَيۡرًا لَّهُمۡ۔ (آل عمران،3: 180)

اور زکوٰۃ کے فرض کا انکار کرنے والوں کے فعل کو قرآن برا اور کافرانہ عمل کہا ہے۔

بَلۡ هُوَ شَرٌّ لَّهُمۡ۔

زکوٰۃ کو زکوٰۃ اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ انسان کے مال کو پاک اور طاہر کر دیتی ہے اور انسان کے وجود کو ہر گناہ و معصیت سے دھو دیتی ہے اور بخل و گناہ کے عذاب سے بچا کر انسان کو جنتی بناتی ہے اور مال میں خیر و برکت اور ترقی و بڑھوتری کا باعث بنتی ہے۔ (مولانا اشرف علی تھانوی، احکام اسلام عقل کی نظر میں، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص92)

یہی وجہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے ہر ہر فرد کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ زکوٰۃ لینے والا نہیں بلکہ زکوٰۃ دینے والا بنے۔ زکوٰۃ دینے والا اوپر کا ہاتھ اور زکوٰۃ لینے والا نچلا ہاتھ ہے۔ اس لیے فرمایا:

الید العلیا خیر من الید السفلی۔ (مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الزکاۃ باب ان الید العلیا، 2: 718)

''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

جس مال سے غریبوں کے حق زکوۃ کو نکال دیا جائے تو وہ مال نہ صرف پاک ہوتا ہے بلکہ بہت سی آفات و مصائب سے انسان کو بچانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے ھادی کائنات نے فرمایا:

من ادی زکاۃ مالہ فقد ذھب عنه شرہ۔

(ابن خزیمه، الجامع الصحیح، 4: 13، رقم الحدیث 2258)

”جس نے اپنے مال سے زکوۃ ادا کر دی وہ زکوۃ کے باعث اپنے مال کے شر اور فتنے سے بچا رہا۔“

اس لیے اپنی امت کو ادائیگی زکوۃ کے عمل کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حصنوا اموالکم بالزکاۃ۔ (سنن ابی داؤد، کتاب المراسیل، 133)

”اپنے مال و دولت کی زکوۃ کے ذریعے حفاظت کیا کرو۔“

زکوۃ کوئی معمولی عمل نہیں ہے بلکہ یہ عمل زکوۃ دینے والے کی شخصیت میں کمال کا باعث ہے تو دوسری طرف اس شخص کی ذات میں اسلام کی تکمیل سبب ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان تحام اسلامکم ان تودوا زکاۃ اموالکم۔ (طبرانی، معجم الکبیر، 18: 8، رقم 6)

”تمہارے اسلام کی تکمیل یہ ہے کہ تم اپنے مال سے زکوۃ ادا کیا کرو۔“

انسان کا بخیلانہ اور زر پرستانہ کردار زکوۃ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ انسان حبِ مال میں اللہ کے احکام کی اطاعت سے صرف نظر کر جاتا ہے جس کی بنا پر وہ دنیا و آخرت میں اس کے عتاب، غضب اور عذاب کا خود کو مستحق بناتا ہے۔ زکوۃ کے ذریعے ہمارا معاشرہ اور سماج ایک مطلوبہ معیار زندگی پر استوار ہوتے ہیں۔ یہی اسلام کا اقتصادی نظام ہماری حقیقت کی روح ہے۔ جس کے تحت امیر اور غریب، خوشحال اور بدحال، فراخ دست اور تنگ دست دونوں کو یکساں معیار زندگی کی اساسی سہولیات اور بنیادی ضروریات فراہم ہوتی ہیں۔ زکوۃ کے عمل میں تسلسل اور مواظبت سے انسانی معاشرے سے ہر سطح کا فساد اور ہر نوع کا استحصال ختم ہو جاتا ہے۔ یوں انسانی معاشرہ پر امن اور سلامتی والا بن جاتا ہے۔ ہمارے اس معاشرے میں انسانوں کے اقتصادی مسائل حل کرنے کے لیے سوشلزم بھی ایک امید بن کر آیا مگر اس نے افراد معاشرہ سے انفرادی حق ملکیت چھین لیا۔ اس غیر فطرتی احترام پر وہ وقت کے ساتھ ساتھ دنیا سے آج نسیا منسیا ہو گیا ہے اور اس کے مقابل سرمایہ دارانہ نظام بھی انسانوں کے معاشی مسائل حل کرنے کے لیے ایک آس بن کر آیا مگر اس نے سوشلزم کے برعکس افراد معاشرہ کو کل حق ملکیت دے دیا اور ان کو ملکیت مطلقہ اور مالک کل کا حامل بنا دیا جس میں دوسرے افراد معاشرہ کا ذرا برابر کوئی حق نہ تھا۔ اس نظام نے دولت کو چند ہاتھوں اور چند خاندانوں میں مرتکز کر دیا اور اس نظام نے مالداروں کو مزید مالدار بنایا اور غریبوں کو مزید غریب کیا۔ یوں یہ نظام غریبوں کا خون چوسنے لگا اور ان

کے بنیادی حقوق حیات کا استحصال کرنے لگا تو اس نظام سرمایہ داری اور سرمایہ داروں کے خلاف دنیا کے ہر ہر کونے سے یہ صدائے احتجاج بلند ہونے لگی جس کی ترجمانی یہ منظوم کلام کرتا ہے کہ

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
ملیں اسی لیے ریشم کے ڈھیر بنتی ہیں
کہ دخترانِ وطن تار تار کو ترسیں
چمن کو اس لیے مالی نے خون سے سینچا تھا
کہ اس کی اپنی نگاہیں بہار کو ترسیں
(ساحر لدھیانوی)

ان دونوں نظاموں کے درمیان تیسرا معاشی نظام اسلام کا ہے جو افراد معاشرہ کو انفرادی ملکیت کا حق بھی دیتا ہے اور اپنے مال کا کل مالک بھی نہیں بناتا اور نہ ہی کل حق ملکیت دیتا ہے بلکہ مال کی حقیقی ملکیت اللہ کے لیے ثابت کرتے ہوئے اسے اپنے مال کا امین بناتا ہے اور اس کے تصرف میں اس کو مالک بناتا ہے اور معاشرے کے ناداروں، مفلسوں کا حق اس کے مال میں رکھتے ہوئے اسے یہ تصور سمجھا دیتا ہے کہ وفی اموالھم حق للسائل والمحروم جس کی وجہ سے وہ زکوٰۃ کو انسانوں کی کفالت کے ساتھ اللہ کی عبادت بھی سمجھتا ہے۔ یوں زکوٰۃ معاشرے کے امیروں سے لی جاتی ہے اور غریبوں کو دی جاتی ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کو پورے تیقن و ایقان اور اعتماد و اعتبار سے جانیں اور سمجھیں اور ان پر خلوص دل کے ساتھ عمل کریں۔ ہم من حیث القوم اپنے کردار میں الا ماشاء اللہ دوغلے پن کا شکار ہیں اور اپنی شخصیت میں دورخی شناخت رکھتے ہیں۔ ہر شعبے میں اپنی ذات کے منافقانہ عمل کی پہچان رکھتے ہیں، اپنے کریم رب کے ساتھ بھی دغا بازی اور دجل سازی کرتے ہیں اور اس کی کامل بندگی اختیار نہیں کرتے ہیں اور اس کے بندوں کے ساتھ بھی مخلص اور وفادار نہیں ہوتے ہیں۔ ہمیں بحیثیت مسلمان اور بحیثیت انسان ایک اعلیٰ انسانی کردار کو اپنی شخصیت میں تشکیل کرنا ہے۔ ہمارے جملہ فرائض میں اور ادائیگی زکوٰۃ کے عمل میں بھی ہمارا یہی فاسقانہ کردار سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس لیے ہمیں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم یا سنگ ہو جا

خواتین، سوشل میڈیا اور اسلامی رہنمائی

سمیہ اسلام

آج کا زمانہ تیز رفتار ٹیکنالوجی اور ڈیجیٹل انقلاب کا دور ہے، جہاں سوشل میڈیا نے انسانی زندگی کے انداز، سوچ اور روابط کو یکسر بدل کر رکھ دیا ہے۔ چند برس قبل تک معلومات کا حصول اخبارات، کتابوں یا ٹیلی ویژن تک محدود تھا، مگر اب Facebook، Instagram، YouTube اور TikTok جیسے پلیٹ فارمز نے دنیا کو ایک عالمی گاؤں یعنی ایک گلوبل ویلج میں تبدیل کر دیا ہے۔ ایک کلک کے ذریعے خیالات، تصاویر، ویڈیوز اور معلومات لمحوں میں ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچ جاتی ہیں۔ اس ڈیجیٹل دنیا میں خواتین کی شمولیت بھی نمایاں اور مؤثر ہو چکی ہے؛ وہ نہ صرف بطور صارف بلکہ بطور تخلیق کار، معلمہ، کاروباری شخصیت اور سماجی رہنما اپنی شناخت قائم کر رہی ہیں۔

تاہم اس وسیع اور پرکشش دنیا میں قدم رکھتے وقت ایک مسلمان خاتون کے لیے یہ سوال نہایت اہم ہے کہ وہ جدید ذرائع ابلاغ سے کس حد تک اور کس انداز میں استفادہ کرے تاکہ ترقی اور وقار کے درمیان توازن برقرار رہے۔ سوشل میڈیا جہاں اظہارِ رائے، تعلیم اور معاشی مواقع فراہم کرتا ہے، وہیں اخلاقی حدود، وقت کے صحیح استعمال اور حیا و وقار کے تحفظ جیسے سنجیدہ پہلوؤں کی یاددہانی بھی کرواتا ہے۔ اسی تناظر میں خواتین اور سوشل میڈیا کا موضوع محض سماجی نہیں بلکہ اخلاقی اور دینی اہمیت بھی رکھتا ہے، جس پر سنجیدگی اور اعتدال کے ساتھ غور کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

سوشل میڈیا: ایک نعمت یا آزمائش؟

سوشل میڈیا اپنی حقیقت کے اعتبار سے ایک ذریعہ (Tool) ہے، نہ کہ بذاتِ خود خیر یا شر۔ یہ اس بات پر منحصر ہے کہ اسے کس نیت، کس مقصد اور کس انداز میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ Facebook، Instagram، YouTube اور TikTok جیسے پلیٹ فارمز نے بلاشبہ علم، آگاہی اور رابطے کے نئے دروازے کھول دیے ہیں۔ مگر یہی دروازے اگر احتیاط کے بغیر کھولے جائیں تو آزمائش کا سبب بھی بن سکتے ہیں۔

سوشل میڈیا بطورِ نعمت

اگر سوشل میڈیا کو مثبت مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے تو یہ عصرِ حاضر کی ایک بہت بڑی نعمت بن سکتا ہے۔ موجودہ دور میں دنیا ایک گلوبل گاؤں کی شکل اختیار کر چکی ہے جہاں فاصلے سمٹ گئے ہیں اور معلومات تک رسائی پہلے سے کہیں زیادہ آسان ہو گئی ہے۔ سوشل میڈیا اس تبدیلی کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ یہ نہ صرف لوگوں کو آپس میں جوڑتا ہے بلکہ علم، آگاہی اور مثبت پیغامات کو تیزی سے پھیلانے کا بھی مؤثر وسیلہ ہے۔

سوشل میڈیا کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے ذریعے علم اور معلومات دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک چند لمحوں میں پہنچ سکتی ہیں۔ تعلیمی ادارے، اساتذہ اور ماہرین مختلف موضوعات پر اپنی معلومات اور تجربات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔ طلبہ آن لائن لیکچرز، تعلیمی ویڈیوز اور مفید مضامین کے ذریعے اپنے علم میں اضافہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح دینی تعلیم کے فروغ کے لیے بھی سوشل میڈیا ایک بہترین ذریعہ بن چکا ہے۔ قرآن و حدیث کی تعلیم، دینی لیکچرز اور اصلاحی پیغامات لاکھوں لوگوں تک بآسانی پہنچائے جا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ سوشل میڈیا معاشرے میں شعور اور آگاہی پیدا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مختلف سماجی مسائل جیسے تعلیم کی اہمیت، صحت کے مسائل، خواتین کے حقوق اور ماحولیاتی تحفظ کے بارے میں آگاہی پھیلانے کے لیے سوشل میڈیا مؤثر پلیٹ فارم ثابت ہو رہا ہے۔ بہت سی فلاحی تنظیمیں اور افراد سوشل میڈیا کے ذریعے لوگوں کو نیکی اور خدمتِ خلق کی طرف راغب کرتے ہیں اور ضرورت مندوں کی مدد کے لیے مہمات بھی چلاتے ہیں۔

سوشل میڈیا کاروبار اور ہنر کو فروغ دینے کا بھی ایک بہترین ذریعہ ہے۔ آج بہت سے لوگ اپنے چھوٹے کاروبار، ہنر اور تخلیقی صلاحیتوں کو سوشل میڈیا کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔

اس سے نہ صرف ان کی پہچان بنتی ہے بلکہ روزگار کے نئے مواقع بھی پیدا ہوتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ، مصوری، دستکاری اور دیگر تخلیقی کام کرنے والے افراد اپنے کام کو سوشل میڈیا کے ذریعے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔

مختصر یہ کہ اگر سوشل میڈیا کو ذمہ داری، اعتدال اور مثبت سوچ کے ساتھ استعمال کیا جائے تو یہ علم کے فروغ، معاشرتی اصلاح اور انسانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے جدید دور کی ایک اہم نعمت کہا جا سکتا ہے۔ تاہم اس نعمت سے حقیقی فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اسے اچھے مقاصد کے لیے اور اخلاقی حدود کے اندر رہ کر استعمال کیا جائے۔

۱۔ دعوت و تبلیغ کا ذریعہ

آج کے دور میں سوشل میڈیا دعوت و تبلیغ کا ایک مؤثر اور وسیع ذریعہ بن چکا ہے۔ ایک باصلاحیت اور باعلم خاتون گھر بیٹھے دینِ اسلام کی تعلیمات کو عام کر سکتی ہے۔ وہ قرآن و حدیث کی روشنی میں مختصر دروس، اصلاحی پیغامات اور اخلاقی نصیحتیں لوگوں تک پہنچا سکتی ہے۔ YouTube، Facebook اور Instagram جیسے پلیٹ فارمز کے ذریعے خواتین ہزاروں لوگوں تک باآسانی رسائی حاصل کر سکتی ہیں۔ اس طرح وہ نہ صرف دینی شعور بیدار کرنے میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح اور نیکی کے فروغ کا بھی سبب بنتی ہیں۔ اگر اس کام کو اخلاص، حکمت اور اسلامی حدود کے ساتھ انجام دیا جائے تو یہ ایک عظیم خدمتِ دین اور صدقۂ جاریہ بھی بن سکتا ہے۔

۲۔ علم کا فروغ

سوشل میڈیا علم حاصل کرنے اور اسے آگے پہنچانے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی بن چکا ہے۔ آج مختلف آن لائن لیکچرز، دروس، ویبینارز اور تعلیمی ویڈیوز کے ذریعے خواتین گھر بیٹھے اپنی علمی استعداد میں اضافہ کر سکتی ہیں۔ دینی علوم سے لے کر عصری تعلیم تک بے شمار موضوعات پر مفید مواد آسانی سے دستیاب ہے، جس سے خواتین اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو بھی بہتر بنا سکتی ہیں۔ YouTube اور Facebook جیسے پلیٹ فارمز پر معروف اساتذہ اور اسکالرز کے لیکچرز سن کر وہ قرآن، حدیث، فقہ اور دیگر علوم کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکتی ہیں۔ اس طرح سوشل میڈیا اگر مثبت انداز میں استعمال کیا جائے تو یہ خواتین کے لیے علم کے دروازے کھولنے اور خود کو بہتر بنانے کا ایک اہم وسیلہ ثابت ہو سکتا ہے۔

۳۔ معاشی خود مختاری

سوشل میڈیا نے خواتین کے لیے معاشی خود مختاری کے نئے دروازے بھی کھول دیے ہیں۔ آج

بہت سی خواتین اپنے گھریلو ہنر جیسے دستکاری، سلائی کڑھائی، کھانا پکانے، بیکنگ، آرٹ اور دیگر تخلیقی صلاحیتوں کو سوشل میڈیا کے ذریعے متعارف کرا رہی ہیں۔ Instagram اور Facebook جیسے پلیٹ فارمز پر اپنی مصنوعات یا خدمات پیش کر کے وہ نہ صرف لوگوں تک اپنی پہچان بنا سکتی ہیں بلکہ باعزت روزگار بھی حاصل کر سکتی ہیں۔ اس طرح خواتین گھر کی ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے معاشی طور پر بھی فعال کردار ادا کر سکتی ہیں۔ اگر اس عمل میں دیانت داری، محنت اور اسلامی اصولوں کو مد نظر رکھا جائے تو یہ نہ صرف ذاتی ترقی بلکہ خاندان کی فلاح و بہبود کا بھی ذریعہ بن سکتا ہے۔

۴۔ مثبت کمیونٹی کی تشکیل

سوشل میڈیا خواتین کو ہم خیال اور نیک مقصد رکھنے والے افراد سے جڑنے کا موقع فراہم کرتا ہے، جس سے ایک صحت مند اور حوصلہ افزا ماحول تشکیل پا سکتا ہے۔ خواتین اپنے تجربات، خیالات اور نصائح شیئر کر کے ایک دوسرے کی رہنمائی کر سکتی ہیں اور معاشرتی بہتری کے لیے مشترکہ کوششیں کر سکتی ہیں۔ مثلاً، دینی، تعلیمی، یا فلاحی گروپس میں شامل ہو کر وہ اخلاقی تربیت، بچوں کی تعلیم، صحت اور سماجی ذمہ داریوں کے بارے میں آگاہی پھیلا سکتی ہیں۔ ایسے پلیٹ فارمز پر مثبت تعلقات اور تعاون کا ماحول پیدا کر کے نہ صرف اپنی ذاتی زندگی میں بہتری لائی جا سکتی ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی مشعل راہ بن سکتی ہیں۔ اس طرح سوشل میڈیا ایک ایسا ذریعہ بنتا ہے جو خواتین کو نہ صرف سماجی رابطوں میں مضبوط بناتا ہے بلکہ انہیں معاشرتی اصلاح اور خیر کے کاموں میں بھی فعال کردار ادا کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اگر نیت خالص ہو اور حدود کا خیال رکھا جائے تو یہی پلیٹ فارم صدقۂ جاریہ کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، کیونکہ ایک نیک بات ہزاروں لوگوں تک پہنچ سکتی ہے۔

سوشل میڈیا بطورِ آزمائش

اگرچہ سوشل میڈیا بہت سے مواقع فراہم کرتا ہے، لیکن اس کے کچھ پہلو ایسے بھی ہیں جو خواتین کے لیے خاص طور پر آزمائش کا سبب بن سکتے ہیں۔ یہ پلیٹ فارمز انسانی زندگی میں آسانی کے ساتھ ساتھ خطرات اور چیلنجز بھی لے کر آتے ہیں، جنہیں نظر انداز کرنا نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

۱۔ نمائش اور شہرت کی خواہش

سوشل میڈیا پر لائکس، کمنٹس اور فالوورز کی تعداد اکثر افراد کے لیے خود اعتمادی اور مقام کا معیار بن جاتی ہے۔ بعض خواتین غیر ضروری تصاویر یا ویڈیوز پوسٹ کر کے توجہ اور تعریف کی طلب پیدا کر لیتی ہیں۔ یہ رجحان ریاکاری اور خود نمائی کی طرف لے جا سکتا ہے، جو اسلامی تعلیمات میں سختی سے

ناپسندیدہ ہے۔ اخلاص کے بغیر کیے گئے عمل میں روحانی نقصان ہو سکتا ہے اور انسان کی نیت خراب ہو جاتی ہے۔

۲۔ وقت کا ضیاع

سوشل میڈیا میں گھنٹوں غیر ضروری اسکرولنگ، ویڈیوز دیکھنا یا بحث و مباحثے میں مشغول ہونا اکثر قیمتی وقت ضائع کر دیتا ہے۔ یہ وقت عبادت، قرآن کی تعلیم، بچوں کی تربیت اور گھریلو ذمہ داریوں میں استعمال ہونا چاہیے تھا۔ وقت کے ضیاع سے نہ صرف عملی نقصان ہوتا ہے بلکہ ذہنی سکون اور توجہ پر بھی منفی اثر پڑتا ہے۔

۳۔ موازنہ اور حسد

دوسروں کی زندگی کی خوبصورت جھلکیاں دیکھ کر بعض خواتین خود کو کمتر محسوس کر سکتی ہیں۔ یہ موازنہ اکثر حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا، کیونکہ سوشل میڈیا زندگی کے صرف روشن اور خوشگوار پہلو دکھاتا ہے۔ اس سے ذہنی دباؤ، خود اعتمادی میں کمی اور احساسِ کمتری پیدا ہو سکتا ہے، جو روحانی اور نفسیاتی دونوں طرح کے نقصان کا سبب بنتا ہے۔

۴۔ اخلاقی حدود کی پامالی

سوشل میڈیا بعض اوقات غیر مناسب مواد، فتنہ انگیز باتیں، یا اخلاقی حدوں کی خلاف ورزی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ غیر محتاط پوسٹس یا ذاتی زندگی کی نمائش پردے اور حیا کے اسلامی اصولوں کے خلاف ہو سکتی ہے۔ اس طرح کے عمل سے نہ صرف ذاتی وقار متاثر ہوتا ہے بلکہ معاشرت میں بھی منفی اثر پڑتا ہے۔

اسلام میں ہر معاملے میں اعتدال اور تقویٰ کی ہدایت دی گئی ہے۔ سوشل میڈیا بذاتِ خود نہ مکمل نعمت ہے اور نہ مکمل آزمائش؛ بلکہ یہ انسان کی نیت، شعور اور ضبطِ نفس کو پرکھنے کا ایک آئینہ ہے۔ اگر دل میں خیر، اخلاص اور اسلامی اصول موجود ہوں تو یہ پلیٹ فارم ترقی، تعلیم اور خیر کے کاموں کا ذریعہ بن سکتا ہے، اور اگر غفلت، ریاکاری یا بے احتیاطی ہو تو یہ آزمائش اور نقصان کا سبب بن جاتا ہے۔

خواتین کے لیے مواقع

۱۔ دینی و تعلیمی خدمات

سوشل میڈیا نے خواتین کے لیے دینی اور تعلیمی خدمات کے بے شمار مواقع پیدا کر دیے ہیں۔ آج بہت سی خواتین آن لائن قرآن و حدیث کی تعلیم دے رہی ہیں، اسلامی مضامین تحریر کر رہی ہیں اور

اصلاحی ویڈیوز کے ذریعے لوگوں کی رہنمائی کر رہی ہیں۔اس طرح وہ گھر بیٹھے علمِ دین کو عام کرنے اور دعوت و تبلیغ کے کام میں حصہ لے رہی ہیں۔

یہ پلیٹ فارمز خواتین کو یہ موقع فراہم کرتے ہیں کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو مثبت انداز میں استعمال کریں اور معاشرے کی اصلاح میں اپنا کردار ادا کریں۔اگر سوشل میڈیا کو ذمہ داری اور اسلامی اصولوں کے مطابق استعمال کیا جائے تو یہ نہ صرف علم و آگاہی پھیلانے کا ذریعہ بن سکتا ہے بلکہ بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں مثبت تبدیلی بھی لا سکتا ہے۔

۲۔ہنر اور کاروبار

سوشل میڈیا نے خواتین کو اپنے ہنر اور صلاحیتوں کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ فراہم کیا ہے۔گھریلو صنعت، دستکاری، کھانا پکانے، سلائی کڑھائی اور آرٹ جیسے شعبوں میں بہت سی خواتین سوشل میڈیا کے ذریعے اپنے کام کی تشہیر کر رہی ہیں۔اس کے ذریعے وہ نہ صرف اپنے ہنر کو فروغ دے رہی ہیں بلکہ ایک باعزت اور حلال ذریعۂ معاش بھی حاصل کر رہی ہیں۔اس طرح کی سرگرمیاں خواتین کو مالی خود مختاری فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے میں مثبت کردار ادا کرنے کا موقع بھی دیتی ہیں۔اگر یہ کام دیانت داری، محنت اور اسلامی اصولوں کے مطابق کیا جائے تو یہ خواتین کے لیے ترقی اور کامیابی کا ایک بہترین راستہ ثابت ہو سکتا ہے۔

۳۔شعور و آگاہی

سوشل میڈیا خواتین کے لیے شعور اور آگاہی پھیلانے کا ایک مؤثر ذریعہ بن چکا ہے۔خواتین معاشرتی مسائل، تعلیم، صحت اور تربیتِ اولاد جیسے اہم موضوعات پر مفید معلومات اور تجربات شیئر کر

کے لوگوں کی رہنمائی کر سکتی ہیں۔اس طرح وہ نہ صرف دوسروں کو فائدہ پہنچاتی ہیں بلکہ معاشرے میں مثبت تبدیلی لانے میں بھی اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔اگر خواتین ذمہ داری اور حکمت کے ساتھ سوشل میڈیا کا استعمال کریں تو وہ لوگوں میں شعور بیدار کرنے،اچھے اخلاق اور مثبت اقدار کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔اس طرح سوشل میڈیا ایک تعمیری اور اصلاحی پلیٹ فارم بن سکتا ہے جو معاشرے کی بہتری میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

درپیش چیلنجز

ا۔حیااور پردے کے تقاضے

اسلام نے عورت کو عزت و وقار عطا کیا ہے۔سوشل میڈیا پر غیر ضروری تصاویر، ویڈیوز یا ذاتی زندگی کی نمائش بعض اوقات حیا کے تقاضوں سے متصادم ہو سکتی ہے۔ مسلمان خاتون کو چاہیے کہ وہ اپنی آن لائن موجودگی میں بھی پردے اور وقار کو مقدم رکھے۔

۲۔وقت کا ضیاع

بلا مقصد اسکرولنگ اور گھنٹوں ویڈیوز دیکھنا قیمتی وقت کے ضیاع کا باعث بنتا ہے، جو عبادات، گھریلو ذمہ داریوں اور بچوں کی تربیت پر منفی اثر ڈال سکتا ہے۔

۳۔موازنہ اور احساسِ کمتری

دوسروں کی خوشحال زندگی کی جھلکیاں دیکھ کر بعض خواتین احساسِ کمتری یا ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتی ہیں، حالانکہ سوشل میڈیا اکثر زندگی کا صرف خوبصورت پہلو دکھاتا ہے۔

اسلام اعتدال کا دین ہے۔نہ تو مکمل کنارہ کشی ہر حال میں ضروری ہے اور نہ ہی بے لگام آزادی مناسب ہے۔چند اصول جنہیں پیشِ نظر رکھنا چاہیے:نیت کی درستگی، وقت کی پابندی، پردے اور حیا کا اہتمام، مفید اور مثبت مواد کی ترویج، غیر ضروری بحث و مباحثہ اور فتنہ انگیز مواد سے اجتناب۔سوشل میڈیا ایک طاقتور ذریعہ ہے۔اگر مسلمان خواتین اسے شعور، ذمہ داری اور اسلامی اقدار کے ساتھ استعمال کریں تو یہ نہ صرف ان کی ذاتی ترقی بلکہ معاشرے کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ٹیکنالوجی کے غلام نہ بنیں بلکہ اسے اپنے مقصد اور دین کی خدمت کے لیے استعمال کریں۔ایک باوقار مسلمان خاتون کی پہچان یہی ہے کہ وہ ہر میدان میں اپنی حدود اور اقدار کو مقدم رکھتی ہے، چاہے وہ حقیقی دنیا ہو یا ڈیجیٹل۔

فقہی مسائل

مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: عقائد اور اعمال میں بگاڑ کیسے پیدا ہوتا ہے.؟

جواب: انسان کا وجود جسم اور روح دونوں کا مرکب ہے جسم اور روح دونوں کے الگ الگ تقاضے ہیں اور یہ تقاضے ان کی فطری اور طبعی صلاحیتوں کے مطابق ہیں۔ انسانی جسم کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے اور مٹی میں پستی و گھٹیا پن، ضلالت، گمراہی، حیوانیت و بہیمیت، شیطانیت اور سرکشی جیسی خاصیتیں پائی جاتی ہیں، اسی لیے نفسِ انسانی فطری طور پر برائیوں کی طرف رغبت دلاتا رہتا ہے۔گویا گناہوں کی آلودگیاں اور حق سے انحراف نفسِ انسانی کی فطرت میں شامل ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ.(یوسف، 12: 53)

بےشک نفس تو برائیوں کا ہی حکم دیتا ہے۔

لیکن دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے روح کی صورت میں انسان کے اندر ایک لطیف و نورانی ملکہ بھی ودیعت کر دیا ہے جس کے تقاضے بدی و نیکی کی تمیز، حق پرستی، صداقت و امانت اور نفس کی تہذیب و تطہیر سے پورے ہوتے ہیں۔ارشاد فرمایا:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا.(الشمس، 91: 8)

”پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (کی تمیز) سمجھا دی۔“

اور ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ. (البلد، 90: 10)

”اور ہم نے اسے (خیر و شر کے) دو نمایاں راستے (بھی) دکھا دیے۔“

گویا انسان کے اندر برائی اور اچھائی، بدی و نیکی، خیرو شر دونوں طرح کے میلانات ازل سے ودیعت کر دیئے گئے۔

ان دونوں کے درمیان تضاد، تصادم اور ٹکراؤ کی کیفیت قائم رہتی ہے اور جب تک یہ کشمکش قائم رہے انسان کی زندگی عجیب قسم کے تضادات اور بگاڑ کا شکار رہتی ہے۔اسی بگاڑ سے بے راہ روی، ظلم و استحصال، فسق و فجور جنم لیتے ہیں اور انسانی شخصیت اپنے اندرونی انتشار کی وجہ سے بے سکون و بے اطمینان رہتی ہے۔یہی کیفیت انسان کے اعمال و عقائد میں بگاڑ کا باعث بنتی ہے۔ایسی صورتحال کے تدارک کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے امت کی رہنمائی فرمائی ہے۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ، لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ.

میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، اگر انہیں تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے یعنی اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت۔(مالک، الموطأ، کتاب: القدر، باب: النهي عن القول بالقدر، 2: 899، الرقم: 1594)

مذکورہ بالا حدیث مبارک میں کتاب اللہ یعنی قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ سے جڑے رہنے کی ترغیب دی گئی ہے۔دیگر روایات میں قرآن مجید اور اہلِ بیت اطہار علیہم السلام کا دامن تھامے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔حضرت زید بن اَرقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَنَا تَارِكٌ فِيْكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا: كِتَابُ اللهِ فِيْهِ الْهُدَى وَالنُّورُ، فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ. فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيْهِ. ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي.

میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت و نورہے۔اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو۔پھر آپ ﷺ نے کتاب اللہ (کے احکامات پر عمل کرنے پر) اُبھارا اور

اس کی طرف ترغیب دلائی۔اور پھر فرمایا: دوسری چیز میرے اہلِ بیت ہیں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہلِ بیت کے متعلق اللہ سے ڈراتا ہوں۔(مسلم، الصحیح، کتاب: فضائل الصحابۃ رضی اللہ عنہم، باب: من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، 4: 1873، الرقم: 2408)

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ، لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي، أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الآخَرِ: كِتَابُ اللهِ، حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأَرْضِ، وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي. وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الحَوْضَ، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِي فِيهِمَا.

میں تم میں ایسی دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے انہیں مضبوطی سے تھامے رکھا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ان میں سے ایک دوسری سے بڑی ہے: اللہ تعالیٰ کی کتاب آسمان سے زمین تک بندھی ہوئی رسی کی طرح ہے؛ اور میری عترت یعنی اہلِ بیت ہیں۔اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ یہ دونوں اکٹھے میرے پاس حوضِ کوثر پر آئیں گے۔اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے بعد تم ان دونوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔(ترمذي، السنن، کتاب: المناقب، عن رسول اللہ ﷺ، باب: مناقب أهل بيت النبي ﷺ، 5: 663، الرقم: 3788)

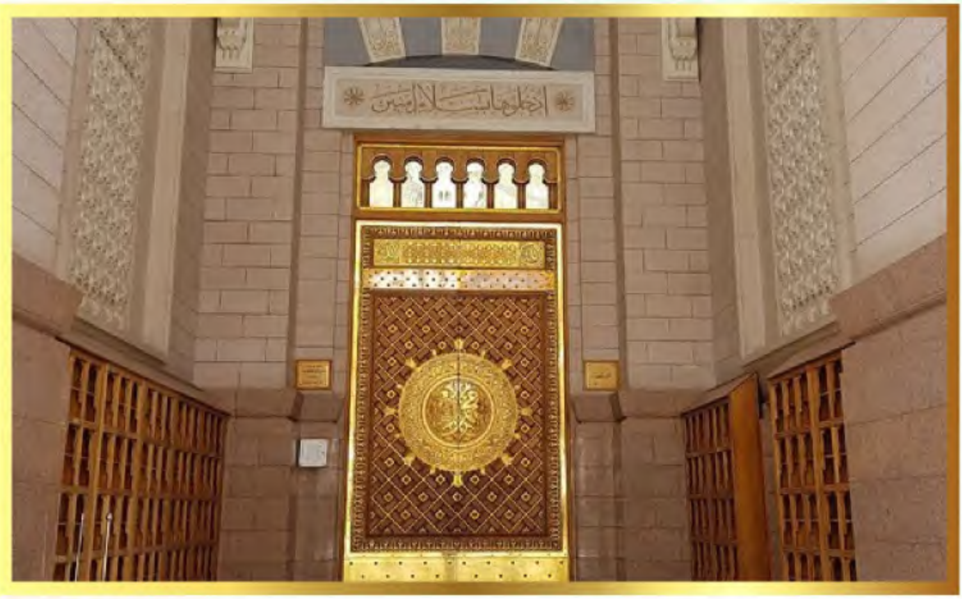

ان روایات میں رسول اللہ ﷺ نے دو ٹوک الفاظ میں گمراہی کے تدارک کا لائحہ عمل بھی بتا دیا ہے۔اس لیے جو مسلمان کتاب و سنت اور عترتِ رسول سے دور ہوجائے تو اس کے عقائد و اعمال میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔

سوال: ضروریات دین کا اثبات کن دلائل سے ہوتا ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک ضروریاتِ دین ہی ضروریات اہلِ سنت بھی ہیں۔نماز ،روزہ ،حج ،زکوۃ کی فرضیت اور زنا، قتل، چوری اور شراب خوری کی ممانعت، رسول اکرم ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کا اقرار وغیرہ جیسے احکام قطعیہ کو ضروریاتِ دین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ان میں سب سے اولین ضرورت یہ ہے:

تصدیق ما جاء به النبی ﷺ

جو کچھ نبی علیہ السلام لائے ہیں اس کی دل سے تصدیق کرنا۔

ایمان بالغیب، اقامتِ صلوۃ، ایتائے زکوۃ، رسولوں، فرشتوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان لانا الغرض رسولِ خدا ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب سمیت آپ کی عنایت کردہ تمام تعلیمات کو بلاشک و شبہ دل سے تصدیق کرنا اور یقین رکھنا ضروریاتِ دین میں سے ہے، اور یہی ضروریاتِ اہلِ سنت ہیں۔رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل بتلائی ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.(النساء، 4: 65)

"پس (اے حبیب!) آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مسلمان نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں آپ کو حاکم بنالیں پھر اس فیصلہ سے جو آپ صادر فرما دیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور (آپ کے حکم کو) بخوشی پوری فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔"

تفسیر روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام شہاب الدین محمود آلوسی فرماتے ہیں:

فقد روی عن الصادق انه قال لو ان قوما عبدوالله تعالیٰ واقاموالصلوٰۃ وآتوا الزکوۃ وصاموا رمضان وحجواالبیت ثم قالوالشئی صنعه رسول الله الاّصنع خلاف ماصنع او وجدوافی انفسهم حرجاً لکانوا مشرکین.

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، نماز کی پابندی کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ شریف کا حج کرے مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا ذکر حضور ﷺ سے ثابت ہو یوں کہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

(آلوسی، روح المعانی، 5: 65)

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہوگیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔

ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہیں اور تمام اقسام کا حکم بھی مختلف ہے۔کفر کا حکم صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالت بھی۔اگر کوئی شخص قطعی الثبوت اور قطعی الدلالہ احکام کو تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے اور ان کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے تو وہ ضروریاتِ دین کا منکر ہونے کی وجہ سے اہلِ قبلہ میں شامل نہیں رہتا۔

لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا تو فاسق اور گمراہ، مگر اہلِ اسلام میں شامل ہے۔

احکام کے قطعی الثبوت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا احادیثِ متواترہ سے ہو، اور قطعی الدلالۃ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن

مجید یا حدیث متواترہ میں اس حکم کے متعلق وارد ہوئی ہے، وہ اپنے مفہوم و مراد کو صاف صاف بیان کرتی ہو، اور اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہ ہو۔

سوال: نمازوں کو جہراً اور سراً پڑھنے کی حکمت کیا ہے؟

جواب: پہلی بات یہ کہ یہ امور تعبدی ہیں یعنی جیسے شارع علیہ السلام نے ان کو ادا کرنے کا حکم دیا، ویسے ہی ان کو بغیر کسی تبدیلی اور شک وشبہ کے ادا کرنا چاہیے۔ ہمیں اس کی حکمت و مصلحت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ جہری اور سری نمازوں کو ادا کرنے کا حکم ہے، اس لئے بغیر کسی شک وشبہ کے ان پر عمل کیا جائے گا جیسے ہمیں حکم ملا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس کی جو حکمت و مصلحت بیان کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا. (بنی اسرائیل، 17: 110)

اور نہ اپنی نماز (میں قرات) بلند آواز سے کریں اور نہ بالکل آہستہ پڑھیں اور دونوں کے درمیان (معتدل) راستہ اختیار فرمائیں۔

ہمیں درمیانی راستہ اپنانے کا حکم دیا گیا کیونکہ شروع میں جب مسلمان نماز پڑھتے تو ساری نمازوں میں اونچی آواز سے قرأت کرتے تھے اور کفار کو یہ پسند نہ تھا، لہذا وہ مسلمانوں کے قریب آ کر شور وغل کرتے، سیٹیاں بجاتے اور مسلمانوں کو نماز ادا نہیں کرنے دیتے۔ وہ اللہ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی شان میں نازیبا کلمات کہتے، گستاخی کرتے اور توہین کرتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالی نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نہ تو اتنی اونچی آواز میں پڑھو کہ کفار سن کر بے ادبی وگستاخی کریں اور نہ اتنا آہستہ پڑھو کہ تم خود بھی نہ سن سکو۔ لہذا درمیانی آواز میں قرأت کر لیا کرو۔

فجر اور عشاء کے وقت کفار سوئے ہوتے تھے اور مغرب کے وقت کھانے پینے میں مشغول ہوتے تھے، اس لئے ان تین اوقات میں حکم دیا کہ جہراً نماز ادا کی جائے کیونکہ کفار ان اوقات میں کھانے پینے اور سونے میں مشغول ہوتے ہیں مسلمانوں کو تنگ نہیں کر سکتے، لہذا جہرا نماز کا حکم دیا گیا۔ ظہر اور عصر کے وقت کفار دن بھر گھومتے رہتے تھے۔ اس لئے ان نمازوں میں آہستہ آواز سے پڑھنے کا حکم دیا تاکہ کفار مسلمانوں کو تنگ نہ کر سکیں اور قرأت کی آواز سن شور وغل نہ کر سکیں۔

حمدِ باری تعالیٰ

خدا کی بندوں سے نصبت ہے نسبتِ کعبہ
ملی ہے قاسم نعمت سے نعمت، کعبہ

خدا کا گھر ہے، خدا خود ہے پاسباں اس کا
نہ گھٹ سکے گی گھٹانے سے عظمتِ کعبہ

یہی تو پہلا ہے معبد خدا پرستوں کا
ہے اس لیے دل مومن میں رفعتِ کعبہ

جہاں بھر کی مساجد ہیں لائقِ تعظیم
مگر بلند ہے ان سب میں عظمتِ کعبہ

ہو دل میں عشق تو جھکتا ہے سر کے ساتھ ہی دل
نشانِ منزل ایماں ہے الفتِ کعبہ

سکون ملتا ہے آغوشِ ماں سے زائد ہی
لپٹ کے پردوں سے دیکھو تو شفقتِ کعبہ

خدا کا فضل سکندرؔ ہے، ہر مسلماں پر
کہ ہے قلوبِ مسلماں میں حرمتِ کعبہ

(سکندرؔ لکھنوی)

گلدستہ

پاکستان میں موسمیاتی تبدیلیاں اور طلباء کے لئے دشواریاں

مرتبہ: خدیجہ بتول

پاکستان میں موسیماتی تبدیلی اب صرف خبروں میں خشک موضوع نہیں، بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہمارے بچوں کے مستقبل یعنی تعلیمی نظام کو براہ راست نگل رہی ہے۔اقوام متحدہ اور دیگر عالمی اداروں کی رپورٹوں کے مطابق، پاکستان موسمیاتی تبدیلی کے باعث سب سے زیادہ متاثر ممالک میں شامل ہے اور اس کا اثر تعلیمی شعبے پر انتہائی تباہ کن ثابت ہور ہا ہے۔

پچھلے کچھ سالوں سے شدید گرمی کی لہروں نے تعلیمی کیلنڈر کو(Smog) سموگ اور(Heatwaves) نے تباہ کرکے رکھ دیا ہے پنجاب اور سندھ کے میدانی علاقوں میں مئی کے مہینے میں ہی شدید گرمی کی وجہ سے تعلیمی ادارے بند کرنے پڑتے ہیں یاسکول کے اوقات کار کم کر دیئے جاتے ہیں۔ 2024-25ء کی رپوٹوں کے مطابق پاکستان میں طلباء نے موسیماتی تبدیلی سے تعلیمی سال کے 54% دن ضائع کئے۔ جو کہ تقریباً97 دن بنتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ نصاب وقت پر ختم نہیں ہوتا جس کا براہ راست اثر بچوں کی سیکھنے کی صلاحیت اور حقیقی نتائج پر پڑتا ہے۔

تاریخی سیلابوں نے پاکستان کے تعلیمی سال کے انفراسٹر کو شدید نقصان پہنچا یا ہے۔جب تعلیمی نظام تعطل کا شکار ہوتا ہے تو بچوں کی تعلیم مہینوں یا سالوں کے لیے

رک جاتی ہے۔خاص طور پر دیہی علاقوں میں جہاں سکولز کی پہلے ہی کمی ہے، سیلاب کی وجہ سے تعلیم کا سلسلہ منقطع ہونا بچوں کو اور بچیوں کو کم عمری کی (Child Labour) چائلڈ لیبر یا شادی کی طرف دھکیل سکتا ہے۔

لاہور اور دیگر شہروں میں ہر سال نومبر، دسمبر کے مہینوں میں اسموگ کی وجہ سے سکول بند کئے جاتے ہیں۔یہ صرف چھٹیاں نہیں بلکہ بچوں کے پھیپھڑوں کے مسائل، آنکھوں میں جلن اور ذہنی تناؤ کا باعث بنتے ہیں۔اسکول بند ہونے سے بچوں کی تعلیمی کارکردگی کمزور ہوتی ہے۔اور اساتذہ کے لیے بھی نصاب کی تکمیل ایک چیلنج بن جاتی ہے۔

موسمیاتی تبدیلیاں عدم مساوات کو مذید بڑھا دیتی ہیں۔جب سیلاب یا شدید گرمی کی وجہ سے اسکول بند ہوتے ہیں۔تو لڑکیوں کی تعلیم سب سے پہلے متاثر ہوتی ہے۔ خاندانوں کی مالی مشکلات بڑھنے کے باعث بچیوں کو اکثراسکول سے ہٹا لیا جاتا ہے۔

پاکستان کو فوری طور پر ایک "مزاحمتی (Climate-Resilient Education System) کی ضرورت ہے۔

اسکولوں کو مقامی موسم کے مطابق تعطیلات اور اوقات کار مقرر کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے نہ کہ پورے صوبے کے لیے ایک ہی شیڈول ہو۔اسکولوں کی عمارت کو سیلاب اور شدید گرمی کے مطابق تیار کیا جائے جیسے کہ بلند عمارت، سولر اور چھت کی انسولیشن اور اسطرح کے اقدامات از حد ضروری ہیں۔

اگر ہم نے اب بھی موسمیاتی تبدیلوں کے تعلیمی نظام پر پڑنے والے اثرات پر توجہ نہ دی، توہم ایک ایسی نسل کو پروان چڑھار رہے ہوں گے جو تعلیمی طور پر پیچھے رہ جائے گی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی فروغ ہی پاکستان کے بچوں کے مستقبل کو محفوظ بنا سکتا ہے۔(مشتاق خوشی)

گرمی کے اثرات سے بچاؤ ممکن ہے

پاکستان ایک ایسا خطۂ ارضی ہے کہ جہاں چاروں قدرتی موسم یعنی گرمی، سردی، بہار اور خزاں اپنے جوبن پر ہوتے ہیں۔ہمارے ملک کے کچھ علاقے سَرد موسم کے لیے مشہور ہیں، جب کہ بیش تر علاقوں میں سال کے پانچ سے آٹھ ماہ تک گرمی بلکہ

کچھ علاقوں میں تو شدید گرمی ہوتی ہے اور شہر کراچی بھی چند گرم شہروں ہی میں سے ایک ہے۔ نیز، شہرِ قائد میں عموماً موسمِ گرما شروع ہوتے ہی بجلی کی لوڈ شیڈنگ کا دورانیہ بھی بڑھ جاتا ہے۔

واضح رہے، کراچی میں ہوا میں نمی کا تناسب زیادہ ہونے کے سبب موسمِ گرما میں پسینہ بہت زیادہ آتا ہے، جس سے جسم سے نمکیات کا اخراج بڑھ جاتا ہے اور بدن میں نمکیات کا یہ عدم توازن مختلف بیماریوں اور پیچیدگیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسری جانب گرمی کی شدّت، تیز دُھوپ اور لو کی وجہ سے جسم کے درجۂ حرارت میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوجاتا ہے اور اس کے سبب پانی کی کمی یا ڈی ہائیڈریشن، ڈائریا اور دیگر امراض کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

لہٰذا موسمِ گرما میں ہمیں اپنی غذا کا بے حد خیال رکھنا چاہیے، کیوں کہ کھانے پینے کی اشیاء کا دُرست انتخاب ہمیں بہت سے مسائل سے بچاسکتا ہے۔ موسمِ گرما میں باسی، بازاری اور تیز مسالوں والے کھانوں سے اجتناب برتنا چاہیے، کیوں کہ عام طور پر یہی کھانے ہیضے، یرقان اور پیٹ کے دیگر مسائل کا موجب بنتے ہیں۔ اِن کے استعمال سے کہیں بہتر ہے کہ آپ تازہ سبزیوں اور پھلوں کا استعمال کریں۔

مگر، گلے سڑے پھلوں اور سبزیوں کے استعمال سے قطعاً گریز کریں۔ اس کے علاوہ ایسا کھانا، جو زیادہ دیر فریج میں رکھا رہا ہو، اُس کے استعمال سے بھی اجتناب برتیں، کیوں کہ یہ بھی بجلی کی لوڈ شیڈنگ کے باعث کبھی گرم، تو کبھی سرد ہونے کی وجہ سے جراثیم کی نشوونما کا سبب بن سکتا ہے۔

پھر، گرمیوں میں ہیٹ اسٹروک کا بھی خدشہ رہتا ہے، لہٰذا اِس دوران خاص طور پر اُن لوگوں کو، جو آؤٹ ڈور کام کرتے ہیں، بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے افراد کو دن کے وقت اپنے ساتھ چھتری اور پانی کی بوتل لازماً رکھنی چاہیے۔ موسمِ گرما میں جسم میں پانی کی مناسب مقدار برقرار رکھنی بہت ضروری ہوتی ہے، لہٰذا پانی اور ٹھنڈے مشروبات کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں۔

تاہم، یاد رہے کہ کولا ڈرنکس اور سافٹ ڈرنکس کی بجائے دیسی مشروبات، جن میں اسکنجبین، ستّو، لسّی اور گنّے کا رس وغیرہ شامل ہیں، زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ گرم موسم میں مرغّن غذاؤں کی بجائے سبزیوں کا استعمال بہترین ثابت

ہوتا ہے، کیوں کہ یہ زُود ہضم ہونے کی وجہ سے معدے پر گرانی کا باعث نہیں بنتیں۔

سبزیوں کے استعمال سے شدید گرمی میں بھی نہ صرف معدہ تندرست رہتا ہے بلکہ جسم بھی گرمی کی شدّت اور اثرات سے محفوظ رہ پاتا ہے، جب کہ دہی، کھیرے اور پودینے کا رائتہ بھی موسمِ گرما کے لیے ایک انتہائی مفید سوغات ہے کہ ایسے رائتے، چٹنیاں وغیرہ کھانا جلد ہضم کرنے میں مدد فراہم کرتی ہیں۔

گرمی کے اثرات سے بچاؤ ممکن ہے

اِسی طرح تربوز، خربوزے، انگور اور لیموں کا استعمال زیادہ سے زیادہ کریں، کیوں کہ اِن میں پانی کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، تو یہ جسم کا درجۂ حرارت کم رکھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں، جب کہ ان کے استعمال سے خون بھی پتلا رہتا ہے، جس سے بالخصوص بلڈ پریشر کے مریضوں کو فائدہ ہوتا ہے۔یوں بھی گرم موسم میں بچّوں، بوڑھوں اور ایسے افراد کو، جو دِل کے امراض میں مبتلا ہوں، خاص احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

انہیں غیر ضروری طور پر گھروں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے، خاص طور پر دوپہر 12 بجے سے شام 4 بجے تک جس حد تک ممکن ہو، باہر نکلنے سے گریز کریں اور اگر جانا ناگزیر ہو، تو سَر اور چہرے کو کسی کپڑے سے ڈھانپ کر نکلیں۔چہرے پر سَن بلاک کا استعمال کریں اور اپنے ساتھ چھتری اور پانی کی بوتل لازماً رکھیں۔

علاوہ ازیں، پورے موسمِ گرما میں ہلکے رنگوں کے ڈھیلے ڈھالے سوتی، لان کے کپڑے پہنیں، کہ تیز رنگ سورج کی شعائیں جذب کرتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ کسی شخص کو ہیٹ اسٹروک ہوجائے یعنی لو لگ جائے، تو اُسے فوری طور پر طبّی امداد کے لیے قریبی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں۔یہ بھی واضح رہے کہ گرمی سے صرف ہم انسان ہی نہیں، جانور اور پرندے بھی سخت متاثر ہوتے ہیں، تو اپنے صحن، بالکونی یا چھت پر اُن کے لیے بھی پانی کا بندوست ضرور کریں۔

کولیسٹرول، وزن اور فالج کے خطرے میں کمی سمیت کاجو کے دس حیران کن فوائد

کاجو کا شمار بھی خشک میوہ جات میں ہوتا ہے، نباتاتی طور پر ان کی درجہ بندی

بیجوں میں ہوتی ہے، کیونکہ وہ کاجو کے پھل (جسے ڈروپ بھی کہا جاتا ہے) سے حاصل ہوتے ہیں۔ڈروپس وہ پھل ہیں جو باہر سے گودے سے بھرے ہوتے ہیں، لیکن اندر سے بیج کے ساتھ ایک خول رکھتے ہیں۔

کاجو کے درخت گرم آب و ہوا میں اگتے ہیں، جیسے انڈیا اور ویتنام، جن کا شمار دُنیا میں سب سے زیادہ کاجو پیدا کرنے والے مُمالک کی صف میں ہوتا ہے۔

کاجو گردے کی شکل کے ہوتے ہیں، ہلکے پیلے رنگ کے اور مونگ پھلی کے مقابلے میں غذائیت سے بھرپور اور ذائقے میں قدرے میٹھے ہوتے ہیں۔انھیں کچا، بھونا ہوا، یا سالن، یا چٹنی کی شکل میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

کاجو میں پائی جانے والی غذائیت30 گرام کچے کاجو میں:

Kcal166166 کیلوریز،5.5 گرام پروٹین، 13 گرام فیٹ،9 گرام کاربوہائیڈریٹ، 1 گرام فائبر،2 ملی گرام آئرن،88 ملی گرام میگنیشیم،1.7 ملی گرام زنک

ہم نے یہ تو جان لیا کہ کاجو میں کون کون سے غذائی جُزو پائے جاتے ہیں اب بات کرتے ہیں کاجو استعمال کرنے کی وجہ سے آپ کی صحت کو پہنچنے والے دس فوائد کی۔

1۔ کاجو انسانی جسم میں کولیسٹرول کی سطح کو کم کر سکتے ہیں۔

کاجو میں فولیٹ اور وٹامن ای ہوتا ہے جو انسانی جسم میں بند یا تنگ ہو جانے والی خون کی شریانوں (ایتھیروسکلروسس) سے بچانے میں مدد کرتا ہے۔

سنہ 2019 کی جانے والی ایک تحقیق میں یہ بھی پایا گیا کہ کاجو کا روزانہ استعمال ٹائپ 2 ذیابیطس کے مریضوں میں کولیسٹرول کی سطح کو بہتر بنانے میں مدد کرسکتا ہے۔

2۔ کاجو کا استعمال لمبی عُمر پانے کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔

تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ کاجو میں پائی جانے والی 'ان سیچوریٹڈ فیٹس' کسی بھی بیماری یا عمومی حالت میں موت کے خطرے کو کم کرتے ہیں۔

3۔ وہ جسم کو آکسیڈیٹو تناؤ سے بچانے میں مدد کرتے ہیں۔

آکسیڈیٹو تناؤ، وقت کے ساتھ ساتھ اعضا، پٹھوں اور یہاں تک کہ خلیات کو نقصان پہنچا سکتا ہے جس کے نتیجے میں پارکنسنس اور الزائمر جیسی مختلف بیماریاں ہوسکتی ہیں۔

اینٹی آکسائیڈنٹس آکسیڈیٹو تناؤ کو 'مکمل طور پر' ختم کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

4۔ وہ دل کی بیماری اور فالج کے خطرے کو کم کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

ہوموسسٹین ایک امینو ایسڈ کی ہی ایک قسم ہے، لیکن اگر جسم میں اس کی سطح بہت زیادہ ہو جائے تو یہ سوزش کو بڑھاتا ہے اور اس وجہ سے دل کی بیماری یا فالج کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔

کاجو کا استعمال جسم میں ہوموسسٹین کی سطح کو کم کرنے میں مدد دیتا ہے۔

5۔ وہ آسٹیو آرتھرائٹس کے انحطاط کو کم کرنے میں مدد کرسکتے ہیں۔

سنہ 2020 کے ایک مطالعے سے پتہ چلا ہے کہ کاجو کے استعمال کے مشترکہ اینٹی آکسیڈنٹ اور اینٹی سوزش فوائد آسٹیو آرتھرائٹس کے منفی اثرات کے خلاف مدد کرتے ہیں۔

6۔ کولائٹس (آنتوں کی سوزش) میں کمی میں مدد گار ثابت ہوتا ہے۔

کولائٹس یعنی آنتوں کی سوزش کی حالت ہے اور تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ کاجو

سوزش کو کم کرنے اور کولائٹس کے انتظام میں مدد کر سکتا ہے۔

7۔ وزن میں صحت مند طریقے سے کمی میں مدد دیتا ہے۔

تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ جن غذاؤں میں کاجو کی زیادہ مقدار شامل ہوتی ہے، وہ وزن میں کمی اور موٹاپے کے خاتمے سے وابستہ ہیں۔

8۔ خون میں شکر کی سطح کو کنڑول کرنے میں مدد کرتا ہے۔

سنہ 2019 کی ایک تحقیق میں پایا گیا کہ کاجو کے روزانہ استعمال سے انسولین کی حساسیت کو بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے، اور اسی وجہ سے ذیابیطس کے مریضوں میں بلڈ شوگر کو قابو میں رکھنے میں مدد ملتی ہے۔

9۔ فالج کے خطرے کو کم کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔

کاجو میگنیشیم کا ایک اچھا ذریعہ ہے، اور تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ میگنیشیم کی خون میں موجودگی فالج کے خطرے کو کم کرنے میں مدد کرتی ہے۔

10۔ یادداشت کے چلے جانے کے خطرے کو کم کرتا ہے۔

کاجو کی اچھی غذائی پروفائل یعنی پروٹین، فیٹس، وٹامن اور معدنیات، یادداشت سے منسلک مسائل کو کم کرنے اور ان کے خلاف ممکنہ فوائد کا باعث بنتی ہے۔

کیا کاجو ہر ایک کے لیے محفوظ اور فائدہ مند ہے؟

ممکن ہے کہ کچھ لوگوں میں کاجو کے استعمال سے الرجی ہو اور اگر الرجی کی کوئی علامت ہو جیسے سانس لینے میں دشواری، چہرے، زبان یا ہونٹوں کی سوجن تو فوری طور پر اپنے معالج سے رابطہ کریں، کیونکہ یہ خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ جن لوگوں کو خوشک میوہ جات سے الرجی ہوتی ہے اُن میں کاجو سے الرجی ہو جانے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

کیا کاجو پنیر آپ کے لیے اچھا ہے؟

کاجو سے بنا پنیر ایک بہتر انتخاب ہے کیونکہ یہ کم سے کم پروسیس کیا جاتا ہے اور عام طور پر اس میں صرف کاجو اور پانی، یا شاید تھوڑا سا لیموں کا رس اور خمیر شامل ہوتا ہے۔کاجو پنیر خریدتے وقت لیبل چیک کریں تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جا سکے کہ اس میں چینی یا اضافی تیل جیسے بہت سارے اضافی اجزا شامل نہ ہوں۔

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

یہ کون سوئے عرش چلے ہیں کہ قدسی خوشیاں منا رہے ہیں
ہوا دوبالا جمالِ سدرہ، بہشت کو وجد آ رہے ہیں
تھا حکم جبریل کو ذرا جا، قدومِ احمد کا لینا بوسہ
سلام کہنا، پیام دینا کہ حق تعالیٰ بلا رہے ہیں
احد کو شوقِ لقائے احمد، خَلَق بھی دیکھے مقامِ حامد
کہ وقت کو آج کرکے جامد، وہ جاں زمانے کی جا رہے ہیں
بارات معراج کی چلی ہے، سواری بُرّاق کی بنی ہے
لگام جبریل کو ملی ہے، زمیں، فلک جگمگا رہے ہیں
یوں رازِ تلک الرسل کھلے ہیں کہ تمام اقصیٰ میں آگئے ہیں
نبی رُسل صف بہ صف کھڑے ہیں، امام تشریف لا رہے ہیں
فلک فلک پہ ہے خیر مقدم، کہیں براہیم و نوح و آدم
سلام کی ہے صدا دما دم، ترانے بجتے ہی جا رہے ہیں
فرشتے سارے درود پڑھتے، ہیں حورو غلماں بھی رقص کرتے
نصیب جاگے ہیں قدسیوں کے کہ قاسمِ نور آ رہے ہیں
مقامِ سدرہ، سواری آئی، تو ٹھہرے جبریل، دی دہائی
یہاں سے آگے نہیں رسائی، میرے تو پر جلتے جا رہے ہیں
یہاں دکھائی وہ شانِ نوری، جو اُن جہانوں میں تھی ضروری
مٹا کے سب لامکاں کی دوری، درِ عرش کھٹکھٹا رہے ہیں
صدائے صلِّ وسلم آئی، حضور نے یوں تدلی پائی
نہ قاب قوسین حد بنائی، وہ قرب او ادنیٰ پا رہے ہیں
ہوئی توجہ جو اِتحادی، تو شان جمع الجمع عطا کی
صفاتِ ربی بر ذاتِ عبدی، رنگوں پہ رنگ چڑھتے جا رہے ہیں
کرم ہے امت پہ یہ نبی کا، دیا ہے معراج سے بھی حصہ
رضاؔ غلاموں کو عرشی جلوے، نمازوں میں وہ دِکھا رہے ہیں

(نعیم رضاؔ)

دکھاوا اور ریاکاری

سعدیہ کریم اسلامک سکالر

عبادات اور نیک اعمال کی بربادی کا سبب

دکھاوا کرنا اور ظاہر داری کو ریاکاری کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ محض لوگوں کو دکھانے کے لیے اور لوگوں کے دلوں میں اپنی قدر و منزلت بڑھانے کے لیے کوئی بھی عمل کیا جائے۔ ریاکاری اور دکھاوا دین اور دنیا دونوں کے معاملات میں ہوتا ہے لیکن جب معاملہ دینی اعمال کا ہو تو ریاکاری ایک معیوب اور گھناؤنا فعل بن جاتی ہے کیونکہ عبادات یا نیک اعمال کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور رحمت طلبی کے بجائے لوگوں کو دکھانا ہوتا ہے کہ ہم بہت نیک، پارسا اور عبادت گزار ہیں یعنی تمام نیک اعمال اس نیت سے کیے جائیں کہ لوگوں میں عبادات گزار، بزرگ اور نیک مشہور ہو جائیں۔

ریاکاری اخلاص کی ضد ہے۔ اخلاص کے ساتھ جو بھی نیک عمل کیا جاتا ہے صرف وہی اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہوتا ہے اور اسی کا اجر بھی عطا کیا جاتا ہے لیکن ریاکاری کا مقصد صرف لوگوں کی ستائش کا حصول ہوتا ہے۔ اس لیے ایسا عمل اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوتا۔ بعض اوقات تھوڑے عمل کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں میں چرچا ہو۔ یہ بھی ریاکاری اور دکھاوا ہی ہوتا ہے۔

قرآن وسنت کی روشنی میں نام و نمود اور ریاکاری کی مذمت

ریاکاری ایک ایسا فعل ہے جو نیک اعمال کو ضائع کر دیتا ہے اور ان کی ساری حیثیت کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں ختم کر دیتا ہے۔ ریاکار اپنی طرف سے یہ سوچ کر خوش ہوتا ہے کہ وہ نیک اعمال کر رہا ہے اور

اس کا اجر بھی اسے ضرور ملے گا مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اسی لیے قرآن و حدیث میں اس فعل کی سنگینی کو واضح کر دیا گیا ہے تاکہ لوگ اس کی تباہ کاریوں سے بچ سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ۔ (الماعون، ۴:۔۶)

"پس افسوس (اور خرابی) ہے ان نمازیوں کے لیے۔ جو اپنی نماز (کی روح) سے بے خبر ہیں (یعنی انہیں محض حقوق اللہ یاد ہیں حقوق العباد بھلا بیٹھے ہیں)۔ وہ لوگ (عبادت میں) دکھلاوا کرتے ہیں (کیوں کہ وہ خالق کی رسمی بندگی بجا لاتے ہیں اور پسی ہوئی مخلوق سے بے پرواہی برت رہے ہیں)۔"

سورۃ البقرہ میں بھی لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ احسان جتا کر اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو۔ ریاکاری کی یہاں تک وعید آئی ہے کہ جو شخص محض لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ کرتا ہے وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ ہی آخرت پر۔

آیات کے مفہوم سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں:

۱۔ کسی کی مالی امداد کرنے کے بعد اس پر احسان جتا کر اسے تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو صدقہ ضائع ہو جاتا ہے۔

۲۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے مال خرچ نہ کرنا اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کمزور ہونے کی دلیل ہے۔

انسان کی عبادت اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہے، اگر نیت خالص ہے تو اعمال اللہ کے ہاں قبول ہوتے ہیں، اگر نیت میں کھوٹ ہے یا ریاکاری یا نام ونمود مقصود

ہے تو ایسے اعمال بجائے قبولیت کے انسان کے لیے موجبِ وبال بنیں گے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اعمال کی قبولیت کی دو شرائط ہیں: پہلی شرط یہ ہے کہ وہ عمل خالص اللہ کے لیے ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عمل سنت کے مطابق ہو۔ ان دو شرائط میں سے کوئی بھی ایک شرط نہ پائی گئی تو وہ عمل قبول نہیں ہوگا، اور ریاکاری ایسا مذموم وصف ہے کہ اس کی وجہ سے مسلمان کا بڑے سے بڑا نیک عمل اللہ کے ہاں رائی کے دانے کی حیثیت نہیں رکھتا، اور ریاکاری کے بغیر کیا ہوا چھوٹا عمل بھی اللہ کے ہاں پہاڑ کے برابر حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ریاکاری کی مذمت مختلف آیات میں بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (الکہف: ۱۱۰)

”پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو، اسے چاہیے کہ وہ اچھے اعمال کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا۔ (النساء: ۳۸)

”جو لوگ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو، وہ بدترین ساتھی ہے۔“

ایک اور مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔

”اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا پہنچا کر برباد نہ کرو! جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر۔“ (البقرہ: ۲۶۴)

ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ریاکار اپنے عمل سے یہ بات ثابت کرتا ہے کہ اللہ سے اس کو اجر کی توقع نہیں، کیوں کہ جس سے توقع ہوگی اُسی کے لیے عمل کیا جائے گا اور ریاکار کو خالق کے بجائے مخلوق سے اجر کی توقع ہوتی ہے۔

اسی طرح اس کا آخرت پر بھی ایمان نہیں کہ اگر ایمان ہوتا تو ہر گز خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے اجر کی توقع نہ رکھتا اور آخرت کی باز پرس سے ڈرتا۔احادیثِ مبارکہ میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری کی سخت مذمت بیان فرمائی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے نزدیک تمہارے لیے مسیح دجال سے بھی زیادہ خوفناک ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: ہاں! کیوں نہیں؟! فرمایا: وہ شرکِ خفی ہے کہ آدمی کھڑا ہوکر نماز پڑھے اور کسی شخص کو اپنی طرف دیکھتا ہوا دیکھ کر اپنی نماز اور سنوار لے۔" (سنن ابن ماجہ)

دوسری حدیث میں ہے:

"جب اللہ تعالیٰ تمام اگلوں اور پچھلوں کو قیامت کے روز جس کی آمد میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا، تو ایک آواز لگانے والا آواز لگائے گا:" جس نے اللہ کے لیے کیے ہوئے کسی عمل میں کسی غیر کو شریک کیا ہو وہ اس کا ثواب بھی اسی غیر اللہ سے طلب کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک سے تمام شریکوں سے زیادہ بے نیاز ہے۔" (سنن الترمذی)

ایک اور مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص شہرت کے لیے کوئی عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب ظاہر کر دے گا اور جو دکھاوے کے لیے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے رسوا کر دے گا۔" (بخاری)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک تھوڑا سا دکھاوا بھی شرک ہے۔(سنن ابن ماجہ)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مسلمانو! سب سے زیادہ خوفناک چیز جس سے میں تمھیں ڈراتا ہوں۔ شرکِ اصغر (چھوٹے درجے کا شرک) ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرک اصغر کیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"ریا"۔

احادیث مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ریاکاری شرک ہے اور شرک کو قرآن مجید میں ظلم عظیم کہا گیا ہے اور اس کی سخت ممانعت ہے۔

حضرت شداد بن اوسؓ کے بارے میں روایت ہے کہ ایک موقع پر وہ رونے لگے تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس چیز نے رلایا۔انھوں نے جواب دیا کہ مجھے اس بات نے رلایا ہے جو میں نے رسول

اللہ ﷺ سے سنی تھی، وہ اس وقت مجھے یاد آگئی کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور چھپی خواہشات کا خوف ہے۔ حضرت شداد کہتے کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے بعد شرک میں مبتلا ہو جائے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

یادرکھو کہ میری امت کے لوگ سورج کو نہیں پوجیں گے نہ چاند کو نہ پتھر کو، نہ ہی کھلم کھلا بت پرستی کریں گے لیکن لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام کریں گے اور یہ شرک خفی ہے۔

قرآن و حدیث کی ان تعلیمات سے واضح ہوتا ہے کہ ریاکاری انتہائی گھناؤنا فعل ہے۔ ریاکار انسان بہت اچھے اعمال کرکے بھی بدقسمتی سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے دور ہو جاتا ہے۔

اہل بیت اور صحابہ کرامؓ کا اخلاص اور دکھاوے سے اجتناب

اہل بیت اطہار اور صحابہ کرامؓ خلوص کے پیکر تھے۔ ان کی مقدس زندگیوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا تھا۔ عبادات ہوں، معاملات ہوں یا کوئی اور پہلو اللہ کی رضا ہر حال میں ان کے پیش نظر رہتی تھی۔ وہ صدقہ و خیرات اور عبادات کے علاوہ فلاح و بہبود کے دیگر کام اعلانیہ اور خفیہ دونوں طریقوں سے کرتے تھے۔ وہ جہاں ضروری سمجھتے تھے اپنی کوئی نیکی اعلانیہ کرتے مگر اس کا مقصد دکھاوا کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ لوگوں کو نیکی کی ترغیب دینا ہوتا تھا۔ جہاد کا جب بھی حکم آیا اہل بیت اطہار اور صحابہ کرامؓ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اگر کبھی کسی کی انفرادی مدد کی بات ہوتی یا عبادات کا مرحلہ ہوتا تو وہ سب نہایت رازداری اور خفیہ طریقے سے اپنے کام سرانجام دیا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوتے ہوئے بھی صبح صادق سے پہلے خاموشی سے چھپ کر ایک نابینا عورت کے گھر کے کام کرنے جایا کرتے تھے۔ لیکن جب غزوہ تبوک کے موقع پر اسلامی لشکر کے لیے امداد طلب کی گئی تو علی الاعلان سب کچھ بارگاہ مصطفی ﷺ میں پیش کر دیا۔

سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور ان کے صاحبزادے حسنین کریمین رضی اللہ عنھم نہایت خاموشی سے کئی غریب گھرانوں کی کفالت کرتے اور نبی پاک ﷺ کے اس فرمان کی عملی تفسیر پیش کرتے کہ کسی ضرورت مند کی مدد اس طرح کرو کہ دائیں ہاتھ سے دو تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

ریاکاری کی مختلف صورتیں

آج کل معاشرے میں دکھاوا اور ریاکاری عام ہو چکی ہے۔ بعض اوقات دینی معاملات جیسے صدقہ و خیرات اور قربانی میں بھی لوگ دکھاوے کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنے اعمال ضائع کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح دنیاوی معاملات میں ہماری تقاریب ہمارے مکانات، ہمارا اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا غرض رہن سہن کے تمام

طور طریقوں میں ریاکاری کا عنصر شامل ہوجاتا ہے۔ لوگوں کو دکھانے کے لیے بڑھ چڑھ کر بلکہ اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کیا جاتا ہے۔ نمود و نمائش کے لیے ضرورت سے زیادہ کھانے پکائے جاتے ہیں اور رزق کا ضیاع ہوتا ہے۔ لباس میں تفاخر اور ریاکاری ہوتی ہے۔ ولیمہ، عقیقے کی دعوتیں ان سب پر بھی بھاری رقوم خرچ کی جاتی ہیں۔ ان میں بھی اگر دکھاوا اور ریاکاری کی نیت ہو تو بندہ اللہ کی رضا سے محروم ہو جاتا ہے۔ ان سب کاموں میں جسمانی مشقت اور مالی قربانی کے باوجود اگر اللہ کی رضا حاصل نہ ہو سکے تو خسارے کا سودا ہوتا ہے۔ مال و دولت کا نقصان بھی ہوتا ہے اور اجر و ثواب سے محرومی بھی مقدر بن جاتی ہے۔ ریاکار انسان انتہائی محنت و مشقت کے باوجود اجر و ثواب سے محروم ہو جاتا ہے اور انسان تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور تکبر اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اور تمام اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔

ریاکاری جب حد سے بڑھ جائے تو انسان کے دل میں دوسروں کے لیے حسد اور کینہ جیسے منفی جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پھر انسان دوسروں کو کم تر کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور معاشرے میں فساد کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

عبادت کرتے وقت ریاکاری کا وسوسہ آنا

واضح رہے کہ ریاکاری کی نیت سے کوئی عمل کرنا اور کسی عمل کے کرنے کے بعد ریاکاری کا وسوسہ آنا دونوں میں فرق ہے ،پہلی صورت یعنی انسان کوئی عمل قصداً دوسرے کو دکھانے کی نیت سے کرے، خواہ دکھلاوے کی نیت پہلے سے ہو یا عمل کے درمیان آجائے؛ تاکہ لوگ اس کو اچھا سمجھیں ،اس کی شہرت ہو یا اس کے معتقد ہوجائیں وغیرہ ،یہ مذموم ہے ،جب کہ دوسری صورت یعنی انسان کوئی اچھا عمل اللہ کی رضا کی نیت سے کر رہاہو اور اس دوران یا عمل کے بعد اس کو یہ وسوسہ آئے لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں اور اچھا سمجھ رہے ہیں ،یہ قابلِ مذمت اور قابلِ گرفت نہیں ،یہ غیر اختیاری چیز ہے، جب کہ ریاکاری اختیاری چیز ہے کہ جس عمل کا محرک اور باعث ہی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے بجائے دوسری چیز ہو۔

بعض اہل اللہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ ریا کا وسوسہ آنا للّٰہیت اور خلوص کی علامت ہے کہ یہ شخص ریاکاری سے بچنے کی کوشش کرتا ہے؛ اس لیے تو اس کو اپنے اعمال میں ریاکاری محسوس ہوتی ہے، ورنہ جس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول مقصود ہی نہ ہو تو اس کو اس قسم کے خیالات اور وسوسے سے کیوں کر آ سکتے ہیں۔

لہذا ریاکاری کے وسوسہ کی وجہ سے پریشان نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی عمل کو چھوڑنا چاہیے ،اللہ کی رضا کے ساتھ اس کی عبادت میں لگے رہیں اور وساوس کی طرف دیہان نہ دیں ،یہ وساوس خود بخود ختم ہوجائیں گے۔

ریاکاری سے بچنے کا طریقہ

ریاکاری سے بچنے کے لیے بہترین صورت یہ ہے اگر کوئی شخص نیک کام کر رہا ہو اور کسی عبادت و اطاعت میں مشغول ہو اور لوگ اس کو وہ نیک کام اور عبادت کرتے ہوئے دیکھ لیں تو اسے چاہیے کہ اس وقت اپنے اندر اس بات پر خوشی اور مسرت کے جذبات محسوس کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل و کرم اور عنایت سے نیک عمل کی توفیق عطا فرمائی ہے یہ دین کا چرچا کرنے میں معاون ہوگا اور اس کی وجہ سے لوگ نیک اعمال کی طرف راغب ہوں گے۔ یہ ایک مثبت سوچ ہے جس کی بدولت انسان منفی سوچ اور ریاکاری سے نجات حاصل کر سکتا ہے۔ ہر عمل سے پہلے نیت کی تجدید کرنی چاہیے اور ہر عمل کے بعد شکر اور استغفار کی کثرت کرنی چاہیے تاکہ ریاکاری سے بچا جاسکے۔

نفاق، ریاکاری، کذب اور خیانت سے بچاؤ کی دعا

حضرت ام معبد رضی اللہ عنھا روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا تھا:

اللھم طھر قلبی من النفاقِ و عملی من الریآءِ و لسانی من الکذبِ و عینی من الخیانۃ؛ فانك تعلمُ خآئنۃ الاعینِ و ما تخفی الصدور

(اے اللہ! میرے دل کو نفاق اور میرے عمل کو ریاکاری سے صاف کر دے اور میری زبان کو دروغ گوئی(جھوٹ) سے محفوظ رکھ اور آنکھوں کو خیانت سے۔اور آپ کے پاس خیانت کرنے والوں اور دلوں کے بھید جاننے کا علم ہے)

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُبِكَ اَنۡ اُشۡرِكَ بِكَ وَاَنَا اَعۡلَمُ وَ اَسۡتَغۡفِرُكَ لِمَا لَا اَعۡلَمُ۔

(اے اللہ عَزَّ وَجَلَّ،میں جان بوجھ کر تیرا شریک ٹھہرانے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور لاعلمی میں ایسا عمل کرنے پر تجھ سے مغفرت کا سوال کرتا ہوں)۔

اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ عَمَلِیۡ کُلَّهُ صَالِحًا وَاجۡعَلۡهُ لِوَجۡهِكَ خَالِصًا وَلَا تَجۡعَلۡ لِاَحَدٍ فِیۡهِ شَیۡئًا۔

(اے اللہ، میرے تمام اعمال کو نیک بنا دیتا، اور انہیں اپنے لئے خالص بنا دے، اور کسی کا اس میں کوئی حصّہ نہ رکھنا)آمین

الفیوضات المحمدیہ

(شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

(اَلسَّمِیۡعُ ۔۔۔۔۔۔۔بہت زیادہ سننے والا)

وظیفہ برائے قبولیتِ دعا وشفایابی سماعت: یَا سَمِیۡعُ

فوائد وتاثیرات:

اس وظیفہ سے دعا قبول ہوتی ہے۔ ثقلِ سماعت کی شکایت دور ہو جاتی ہے۔

جمعرات کے روز نمازِ چاشت کے بعد ۵۰۰ مرتبہ پڑھنے سے فوائد و تاثیرات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

عام معمول:

اوّل وآخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف پڑھ کر اس کا ورد سو (۱۰۰) مرتبہ روزانہ کریں۔

اس وظیفہ کو حسب ضرورت ۱۱ دن، ۴۰ دن یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کے لئے جاری رکھ سکتے ہیں۔

اَللَّطِیۡفُ ۔۔۔۔۔۔ بہت لطف و کرم کرنے والا

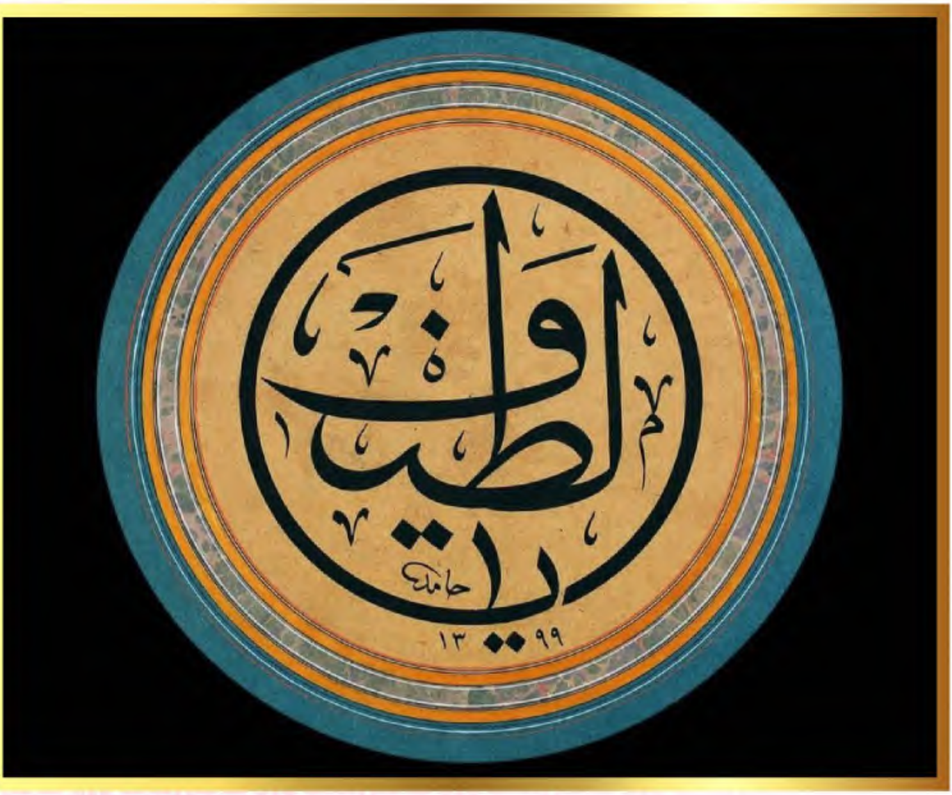

اخلاق حسنہ کا حصول اور خوف سے نجات کا وظیفہ: یَالَطِیْفُ

فوائد و تاثیرات:

اس وظیفہ کی برکت سے طبیعت میں اللہ کے بندوں کے لئے نرمی ورقت پیدا ہوتی ہے اور اخلاق حسنہ نصیب ہوتے ہیں۔ نفس کے احوال سے آگاہی نصیب ہوتی ہے۔ اس وظیفے کو پڑھنے والا اپنے قلب و نفس کو نواہی کے ارتکاب سے روک لیتا ہے، اسی طرح دیگر بہت سے روحانی اسرار کی معرفت نصیب ہوتی ہے اگر وظیفہ مکمل کر کے آخر میں درج ذیل الفاظ دہرائے جائیں تو خوف سے نجات ملتی ہے:

لَاتُدْرِكُهُ، الْاَبْصَارُ وَهُوَيُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَاللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔

اور حصولِ شفاء کے لئے اس کے آخر میں آیات شفاء میں کوئی آیت ملا کر پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرماتا ہے جیسے:

يَالَطِيْفُ الَّذِىْ هُوَيُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَيَشْفِيْنِ علاوہ ازیں فتح مشکلات کے لئے بھی اس اسم پاک کا وظیفہ مفید ہے۔

عام معمول:

اوّل و آخر ۱۱، ۱۱ مرتبہ درود شریف پڑھ کر اس کا ورد سو (۱۰۰) مرتبہ روزانہ کریں۔

اس وظیفہ کو حسب ضرورت ۱۱ دن، ۴۰ دن یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کے لئے جاری رکھ سکتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ مصر

خصوصی رپورٹ

موجودہ دور جہاں ٹیکنالوجی کی برق رفتار ترقی اور مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کے غلبہ کا دور ہے، وہیں مسلم امہ کو ایسے علمی و فکری راہنماؤں کی ضرورت ہے جو جدید علوم اور اسلامی اقدار کے درمیان ایک پل کا کردار ادا کر سکیں۔ اسی تناظر میں چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل، پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا حالیہ دورۂ مصر علمی و سفارتی میدان میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دورے کا بنیادی مقصد بین الاقوامی کانفرنسز میں شرکت، عالمِ اسلام کی مقتدر علمی شخصیات سے ملاقاتیں اور جدید دور کے پیچیدہ مسائل کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرنا تھا۔ مصر، جو کہ صدیوں سے اسلامی علم وفن کا گہوارہ رہا ہے، وہاں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی علمی پذیرائی اس بات کا ثبوت ہے کہ تحریکِ منہاج القرآن کا فکر اعتدال اور جدیدیت کا حسین امتزاج ہے۔

ا۔ وزارتِ اوقاف مصر کی 36ویں بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت اور خصوصی خطاب

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے حکومتِ مصر کی دعوت پر وزارتِ اوقاف کی 36ویں بین الاقوامی کانفرنس میں شرکت کی۔ کانفرنس کا اہتمام وزارتِ اوقاف مصر نے سپریم کونسل برائے اسلامی امور کے تعاون سے "اسلام میں پیشہ ورانہ

اخلاقیات، اثرات اور مصنوعی ذہانت کے دور میں ان کا مستقبل" کے عنوان سے قاہرہ میں کیا تھا، جس میں ممتاز علماء اور مفکرین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کانفرنس میں "مصنوعی ذہانت کے دور میں کاروباری پیشوں کی اخلاقی اقدار: مقاصدِ شریعہ اور جدید ٹیکنالوجی کے چیلنجز کے تناظر میں ایک مطالعہ "کے عنوان سے معرکتہ الآراء مقالہ پیش کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے بصیرت افروز خطاب میں جدید ٹیکنالوجی کے دور میں اسلامی تناظر کو مستحکم کرنے کے راستے متعین کرتے ہوئے کہا کہ

مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) اپنی تمام تر تجزیاتی رفتار اور درستی کے باوجود کبھی انسانی ضمیر، اخلاقی اقدار اور اسلامی شریعت کا متبادل نہیں بن سکتی۔ یہ محض ایک آلہ (Tool) ہے جسے ایک ایسے اعلیٰ نصاب اور ضابطے کے تابع ہونا چاہیے جو اس کے راستے کی اصلاح کرے اور اس کے نتائج کی درست سمت میں رہنمائی کرے۔ ہماری اسلامی تہذیب کا یہ نقطۂ نظر 'مقاصدِ شریعہ' کی نمائندگی کرتا ہے، جو تکنیکی مہارت اور اخلاقی ذمہ داری کے درمیان توازن قائم کرتا ہے۔"

آپ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں خودکار فیصلوں کو حلال و حرام کے میزان اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے ترازو میں تولنا ہوگا۔ یہ طرزِ عمل جدید ٹیکنالوجیز کو الگورتھم

کے ذریعے قیمتوں میں ہیرا پھیری، اشتہارات کے ذریعے گمراہی، صارفین کے رویوں کے استحصال اور خودکار فیصلوں میں شفافیت کی کمی جیسے منفی رجحانات سے روکتا ہے۔

آپ نے شرکاء کو ایک بنیادی سوال کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہ کہ "ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ ہماری منڈیوں (Markets) کی قیادت کس قسم کی ذہانت کو کرنی چاہیے؟ کیا وہ ذہانت جو صرف اعداد و شمار کی زبان اور محض مادی منافع کو جانتی ہو؟ یا وہ ذہانت جو حضور نبی اکرم ﷺ کی ہدایات سے مستنیر ہو، جس کی بنیاد عدل، دیانت اور انسانی وقار کے تحفظ پر ہو؟ یقیناً مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ مارکیٹوں کی قیادت 'نبوی اقدار' کی روح کے سپرد ہونی چاہیے، جہاں مارکیٹ عبادت گاہ بن جائے، تجارت ضمیر کی جگہ ہو اور ٹیکنالوجی امانت داری کا مظہر بن جائے۔ تاکہ ہم مصنوعی ذہانت کے دور میں محمدی ﷺ سچائی اور مدینہ کی پہلی ریاست کے اخلاقی اصولوں کے ساتھ داخل ہو سکیں۔"

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے اپنے تحقیقی مقالے کے اختتام پر درج ذیل عملی تجاویز پیش کرتے ہوئے کہا:

۱۔ ڈیجیٹل تجارت اور مصنوعی ذہانت کے لیے ایک منضبط قانون ساز اور اخلاقی ڈھانچہ تیار کرنا ناگزیر ہے جو شفافیت کو فروغ دے، صارفین کا تحفظ کرے اور لالچ، الگورتھم کے ذریعے قیمتوں میں ہیرا پھیری اور ڈیجیٹل اجارہ داری کو روکے۔

۲۔ ڈیجیٹل کرنسیوں اور مالیاتی ٹیکنالوجیز کے لیے واضح قوانین بنائے جائیں تاکہ منی لانڈرنگ اور غیر قانونی تنازعات کا مقابلہ کیا جاسکے۔

۳۔ قانون، ٹیکنالوجی اور معاشیات کے ماہرین پر مشتمل مشترکہ ادارے بنائے جائیں جو ڈیجیٹل مارکیٹوں کی کارکردگی کا سراغ لگائیں اور انحراف کی صورت میں ادارہ جاتی علاج فراہم کریں۔

۴۔ اخلاقی اور تعلیمی بحالی کے لیے اسلامی تجارتی اخلاقیات، ڈیٹا کے استعمال کے اصول اور مصنوعی ذہانت کے موضوعات کو یونیورسٹیوں اور ٹیکنکل کالجز کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

۵۔ تاجروں اور پیشہ ور افراد کے لیے خصوصی تربیتی پروگرام ترتیب دیے جائیں تاکہ اداروں کے اندر 'حلال گورننس' اور سماجی ذمہ داری کا احساس مضبوط ہو۔

۶۔ عصرِ حاضر کی معیشت اور سمارٹ کنٹریکٹس (Smart Contracts) پر جدید اجتہادی تحقیق کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۷۔ جامعہ الازہر جیسے بڑے ادارے ایسے 'مراکزِ فضیلت (Centers of Excellence)' قائم کریں جو پیشہ ورانہ اخلاقیات، عدل، دیانت اور میانہ روی کی اقدار کو فروغ دیں۔

۲۔ مفتیِ اعظم مصر، شیخ الازہر کے نمائندوں، جامعہ الازہر کی قیادت اور بین الاقوامی شخصیات سے خصوصی ملاقاتیں

۱۔ اس دورہ کے دوران ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے مصر کے مفتیِ اعظم ڈاکٹر نظیر محمد عیاد سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں منہاج یونیورسٹی لاہور اور دار الافتاء مصر کے درمیان علمی و تحقیقی تعاون پر گفتگو ہوئی۔ مفتیِ اعظم نے منہاج القرآن کی علمی خدمات کو سراہا اور مصنوعی ذہانت جیسے جدید مسائل پر مشترکہ فکری کام کی اہمیت پر زور دیا۔

۲۔ بعد ازاں ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے جامعہ الازہر کے صدر پروفیسر ڈاکٹر سلامہ جمعہ داؤد، سابق نائب صدر ڈاکٹر محمد ابوہاشم پروفیسر ڈاکٹر محمد عبد الدائم علی سلیمان الجندی سیکریٹری جنرل برائے مجمع البحوث الاسلامیہ جامعۃ الازہر، پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالرحیم البیومی سابق سیکریٹری جنرل سپریم کونسل برائے اسلامی امور، پروفیسر ڈاکٹر محمد مھنّا مشیر برائے خارجہ تعلقات شیخ جامعۃ الازہر، شیخ عفیف الدین عبد القادر منصور الکیلانی(روضۂ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے نقیب الاشراف اور عراق کے معروف مبلغِ اسلام)، چیئرمین سپریم کونسل برائے اسلامی امور مملکتِ بحرین شیخ عبد الرحمن بن محمد بن راشد آل خلیفہ اور دیگر اہم عہدیداران سے ملاقاتیں کیں۔ ان نشستوں میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی کتب اور علمی کام کا تعارف پیش کیا گیا، جسے جامعہ الازہر کے اساتذہ نے بے حد سراہا۔ خاص طور پر اسلامی ریسرچ اکیڈمی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر محمد عبدالداؤد الجندی کے ساتھ ملاقات میں علمی و فکری تبادلہ خیال ہوا اور انہیں شیخ الاسلام کی تصانیف کا تحفہ پیش کیا گیا۔

۳۔ کانفرنس کی سائیڈ لائنز پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے بحرین کی سپریم کونسل فار اسلامک افیئرز کے صدر شیخ عبدالرحمان بن محمد بن راشد آل خلیفہ اور عراق سے تعلق رکھنے والے ممتاز عالمِ دین شیخ عفیف الدین عبدالقادر منصور الگیلانی سے بھی ملاقات کی، جس میں عالمِ اسلام کو درپیش چیلنجز پر تبادلہ خیال کیا گیا۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ان تمام ملاقاتوں کے دوران اس بات پر زور دیا کہ دارالافتاء اور منہاج یونیورسٹی جیسے اداروں کے درمیان تعاون وقت کی ضرورت ہے، تاکہ مصنوعی ذہانت جیسے سلگتے ہوئے مسائل اور جدید سائنسی ورژنوں کے بارے میں درست فہم حاصل کیا جاسکے۔ مصری دارالافتاء کا تصورات کی تصحیح اور انتہاپسندانہ افکار کے مقابلے کا تجربہ عالمی سطح پر ایک بہترین نمونہ ہے،

جسے علمی اور روحانی بنیادوں پر مزید وسعت دی جانی چاہیے۔"

۳۔ قاہرہ انٹرنیشنل بک فیئر میں شرکت اور لیکچر

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے دنیا کے بڑے ثقافتی میلوں میں شمار ہونے والے "قاہرہ انٹرنیشنل بک فیئر" (57ویں سیشن) کا دورہ کیا۔ یہاں آپ نے ایک خصوصی نشست میں "مصنوعی ذہانت کے دور میں کتاب کی اہمیت "پر علمی لیکچر دیا، جس میں کثیر تعداد میں محققین اور طلبہ نے شرکت کی۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے گفتگو کرتے ہوئے واضح کیا کہ کتاب محض معلومات کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی شخصیت کی تعمیر اور فکر کی گہرائی کا وسیلہ ہے۔ مصنوعی ذہانت کے دور میں جہاں معلومات کی بہتات ہے، وہاں 'کتاب' مستند علم اور انسانی سوچ کو پراگندہ ہونے سے بچانے کے لیے ایک مستحکم بنیاد فراہم کرتی ہے۔

- علاوہ ازیں، آپ نے سابق مفتیِ اعظم مصر ڈاکٹر علی جمعہ کے خصوصی سیمینار "تعمیرِ انسانیت" میں بھی شرکت کی، جہاں وزیرِ اوقاف ڈاکٹر اسامہ الازہری سمیت کئی ممالک کے وزراء اور مفتیانِ کرام موجود تھے۔

۴۔ مقدس مقامات اور تاریخی آثار کی زیارت

علمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے قاہرہ میں موجود درج ذیل اہم روحانی و تاریخی مقامات پر حاضری دی:

۱۔ آپ نے قاہرہ مصر میں واقع مسجد اور مقام رأس سیدنا امام حسین علیہ السلام پر حاضری دی، نفل ادا کیے اور پاکستان کی سلامتی کے لیے دعا کی۔ وہاں موجود تبرکاتِ نبوی ﷺ (قمیص مبارک، موئے مبارک، عصائے مبارک) اور خلفائے راشدین کے دور کے نادر نسخہ ہائے قرآن کی زیارت بھی کی۔

۲۔ آپ نے سیدہ نفیسہ بنت الحسن سلام اللہ علیہا کے مزار اور مسجد پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔

۳۔ آپ نے مصر کے نئے انتظامی دارالحکومت میں تعمیر کردہ فنِ تعمیر کے شاہکار "مسجدِ مصر الکبیر" کا دورہ بھی کیا۔

۴۔ آپ نے قاہرہ میں موجود "علم فاؤنڈیشن برائے احیائے ورثہ" کا دورہ کیا جہاں 20 لاکھ سے زائد عربی و اسلامی قلمی نسخے موجود ہیں۔

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا یہ دورہ محض ایک روایتی دورہ نہیں تھا بلکہ یہ مشرق اور مغرب کے علمی مکالمہ کی ایک کڑی تھی۔ مصر جیسے علمی مرکز میں آپ کی بھرپور شرکت اور جدید مسائل (AI) پر آپ کا مدلل خطاب اس بات کی علامت ہے کہ منہاج القرآن کا پلیٹ فارم عالمی سطح پر اسلام کی درست اور جدید تصویر پیش کر رہا ہے۔اس دورے کے نتیجے میں جہاں منہاج یونیورسٹی لاہور اور مصر کے علمی اداروں کے درمیان تعاون کے نئے راستے کھلے ہیں، وہاں یہ پیغام بھی عام ہوا ہے کہ اسلام ہر دور کے چیلنجز کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی ان سرگرمیوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم، اعتدال اور جدیدیت ہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر امتِ مسلمہ اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کے لیے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیرِ سرپرستی: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ

بیگم رفعت جبین قادری

فی شمارہ: 60روپے

سالانہ خریداری: 700روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں۔

365- ایم ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 042-5169111-3 - 111-140-140 Ext: 149

Whatsapp: 0324-4895887 - 0300-8105740

www.minhaj.info, Email: sisters@minhaj.org

Reflection & Remembrance in Islam Spiritual, Psychological & Social Benefits

HADIA SAQIB HASHMI

Islam provides a comprehensive framework for nurturing the human soul, mind, and character. One of the most profound aspects of Islamic spirituality is the encouragement of reflection upon the signs of Allah and constant remembrance of the Creator. Through reflection and remembrance, believers develop awareness of their purpose in life and strengthen their connection with Allah.

Practices such as dhikr (remembrance of Allah), tafakkur (reflection upon creation), tadabbur (deep contemplation of the Qur'an), muraqabah (awareness that Allah is observing us), and muhasabah (self-accountability) have always been central to Islamic spiritual life. These practices allow believers to cultivate inner peace, strengthen faith, and develop moral character.

The life of Muhammad provides the most powerful example of how reflection and remembrance should be practiced. His life demonstrates that contemplation was not limited to moments of solitude but was integrated into daily worship, prayer, and interaction with others.

Through the guidance of the Prophet ﷺ, believers learn that reflection and remembrance are essential tools for spiritual purification, emotional balance, and intellectual growth.

The Concept of Reflection and Remembrance in Islam

Reflection and remembrance are essential parts of the believer's relationship with Allah. The Qur'an repeatedly calls upon believers to observe the signs of Allah in creation and to contemplate the wisdom behind them.

Allah says:

"Indeed, in the creation of the heavens and the earth and the alternation of the night and the day are signs for those of understanding those who remember Allah while standing or sitting or lying on their sides and reflect on the creation of the heavens and the earth." (Qur'an 3:190–191)

This verse demonstrates that remembrance and reflection are acts of worship that can occur in every moment of life.

The life of the Prophet ﷺ beautifully illustrates this principle. Even before the beginning of revelation, he would spend time reflecting upon the condition of society and seeking closeness to Allah. He would retreat to the Cave of Hira, where he spent periods in contemplation and worship. This habit of reflection prepared his heart for the momentous responsibility of prophethood and the first revelation of the Qur'an.

The Qur'an also emphasizes reflection upon divine revelation itself:

"Do they not reflect upon the Qur'an?"(Qur'an 47:24)

The Prophet ﷺ encouraged his companions not only to recite the Qur'an but also to contemplate its meanings deeply. Reflection on the

Qur'an allows believers to internalize its guidance and apply it in their daily lives.

Spiritual Benefits of Reflection and Remembrance

The most profound impact of remembrance and reflection is the strengthening of a believer's relationship with Allah. Through these practices, the heart becomes spiritually alive and conscious of the Creator.

Strengthening Faith

Reflection on the signs of Allah strengthens a believer's certainty in faith. The Qur'an repeatedly encourages believers to observe both the natural world and their own existence as evidence of divine wisdom.

Allah says:

"And on the earth are signs for those who have certainty in faith, and within yourselves. Do you not see?"(Qur'an 51:20–21)

The Prophet ﷺ himself demonstrated deep reflection upon the creation of Allah. On many occasions he would recite verses describing the heavens and the earth and contemplate their meanings. His companions reported that when he recited verses about the creation of the universe, he would reflect deeply and encourage others to do the same.

Such reflection transforms belief from a simple intellectual concept into a deeply rooted conviction.

Development of God-Consciousness (Taqwa)

Frequent remembrance of Allah cultivates taqwa, the state of constant awareness of Allah that guides a believer's actions.

The Prophet ﷺ demonstrated this awareness in every aspect of his life. His wife Aisha bint Abu Bakr reported:

"The Messenger of Allah used to remember Allah at all times." (Sahih Muslim, Hadith 373)

This continuous remembrance strengthened his connection with Allah and served as an example for believers to remain spiritually mindful in their daily lives.

Purification of the Heart

Reflection helps believers examine their inner state and purify their hearts from negative qualities such as arrogance, envy, and greed.

The Qur'an emphasizes the importance of spiritual purification:

"He has succeeded who purifies it, and he has failed who corrupts it." (Qur'an 91:9–10)

The Prophet ﷺ frequently encouraged self-reflection and repentance. By examining their intentions and actions, believers are able to correct their behavior and strive for sincerity in worship.

Psychological and Emotional Benefits

In addition to spiritual growth, remembrance and reflection provide significant emotional and psychological benefits.

Inner Peace and Tranquillity

One of the most powerful outcomes of remembering Allah is the sense of peace it brings to the heart.

Allah states:

"Indeed, in the remembrance of Allah do hearts find rest." (Qur'an 13:28)

The Prophet ﷺ often turned to prayer and remembrance during moments of difficulty. Prayer served as a source of comfort and tranquillity for him, demonstrating that spiritual connection with Allah can calm the heart even during challenging circumstances.

Emotional Balance

Reflection helps believers develop emotional resilience by reminding them that all events occur according to the wisdom of Allah.

The Prophet ﷺ taught his companions to view both success and hardship with balance and patience.

He said:

"How wonderful is the affair of the believer. All of his affairs are good. If something pleasant happens to him he is grateful, and that is good for him. If something harmful happens to him he is patient, and that is good for him."(Sahih Muslim, Hadith 2999)

This perspective allows believers to maintain emotional stability and trust in Allah's plan.

Relief from Stress and Worry

The Prophet ﷺ encouraged regular remembrance of Allah in daily life. Supplications in the morning and evening, recitation of the Qur'an, and frequent dhikr were all practices that helped believers remain calm and spiritually focused.

These acts of remembrance allow the mind to detach from worldly anxieties and reconnect with the greater purpose of life.

Moral and Character Development:

Reflection also plays an essential role in shaping moral character.

Self-Accountability

Islam encourages believers to regularly examine their actions and intentions. This process of self-evaluation helps individuals recognize their mistakes and strive to improve.

The companions of the Prophet ﷺ practiced this form of reflection regularly. They understood that personal accountability was necessary for spiritual growth.

Gratitude and Humility

Reflecting upon the blessings of Allah leads to gratitude and humility. The Prophet ﷺ exemplified this quality in his life.

Aisha bint Abu Bakr reported that the Prophet ﷺ would stand in night prayer until his feet became swollen. When she asked him why he exerted himself so much in worship when his sins had already been forgiven, he replied:

"Should I not be a grateful servant?"(Sahih al-Bukhari; Sahih Muslim)

This response demonstrates how reflection on Allah's blessings inspires sincere gratitude and devotion.

Social Benefits of Reflection and Remembrance

The influence of remembrance and reflection extends beyond the individual and contributes to a compassionate and ethical society.

Compassion Toward Others

When believers reflect upon the mercy of Allah, they are encouraged to show mercy to others.

The Prophet ﷺ said

"The merciful are shown mercy by the Most Merciful. Be merciful to those on the earth and the One above the heavens will have mercy upon you."(Sunan al-Tirmidhi, Hadith 1924)

Reflection, therefore, nurtures empathy and kindness in human relationships.

Ethical Conduct

Awareness that Allah observes all actions encourages honesty and integrity. The Prophet ﷺ demonstrated the highest standard of moral character, earning the trust and respect of his community even before prophethood.

Believers who engage in regular reflection are more likely to act responsibly and ethically in their interactions with others.

Reflection and remembrance are essential components of Islamic spiritual life. Through practices such as dhikr, contemplation of the Qur'an, and reflection upon the signs of Allah in creation, believers cultivate a deeper relationship with their Creator.

The life of the Prophet Muhammad ﷺ provides the perfect example of how reflection and remembrance should shape a believer's character and behaviour. His constant awareness of Allah, dedication to worship, and thoughtful contemplation of creation demonstrate the transformative power of these practices.

By following this example, believers can nurture faith, develop emotional balance, strengthen moral character, and build compassionate communities. Reflection and remembrance ultimately guide believers toward a life of purpose, gratitude, and preparation for the Hereafter.

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کا منہاج القرآن انٹرنیشنل کے مرکزی سیکرٹریٹ پر منعقدہ 27 ویں شبِ رمضان المبارک کے سالانہ عالمی روحانی اجتماع سے خصوصی خطاب

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
APR-2026
LAHORE
Regd CPL No.45

ان شاء اللہ
53 واں
سالانہ عرس مبارک

فرید ملت
ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ
والدگرامی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری دامت برکاتہم العالیہ مدظلہ

خصوصی خطاب
بذریعہ ویڈیو لنک
پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری
صدر منہاج القرآن انٹرنیشنل

بتاریخ 05 اپریل 2026 بروز اتوار بعد از نماز عشاء 16 شوال 1447ھ

بمقام
دارالعلوم فریدیہ قادریہ ملحقہ دربار فرید ملت
بستی لوہلے شاہ جھنگ صدر

زیر صدارت
صاحبزادہ محمد صبغت اللہ قادری
ایڈمنسٹریٹر دربار فرید ملت

زیر نگرانی
علامہ حافظ عبدالقدیر قادری
ڈائریکٹر دارالعلوم ہذا

منہاج انسٹیٹیوٹ آف قرآءت اینڈ تحفیظ القرآن جھنگ صدر میں داخلہ جاری ہے۔

ثناخوان مصطفیٰ ﷺ
الحاج شہباز قمر فریدی صاحب

ثناخوان مصطفیٰ ﷺ
محمد شکیل طاہر صاحب
لاہور

ثناخوان مصطفیٰ ﷺ
منظور نظر حضور شیخ الاسلام
شہزاد برادران صاحبان
لاہور

ثناخوان مصطفیٰ ﷺ
منظور نظر حضور شیخ الاسلام
ظہیر بلالی برادران صاحبان
لاہور

اختتام پر لنگر کا خصوصی اہتمام ہوگا

خواتین کیلئے پردے کا اہتمام ہوگا

پروگرام
قرآن خوانی
بعد نماز فجر تا ظہر
غسل دربار شریف
بعد نماز ظہر
چادر پوشی
بعد نماز عصر
محفل ذکر مصطفیٰ ﷺ
بعد نماز مغرب
خصوصی خطاب
بعد نماز عشاء

تلاوت
فخر القراء قاری نور احمد چشتی

نقابت
صاحبزادہ تسلیم احمد صابری صاحب
صفدر علی محسن صاحب

چیف آرگنائزر
محمد جواد حامد
نائب ناظم اعلیٰ ایڈمنسٹریشن و اجتماعات
منہاج القرآن انٹرنیشنل

خصوصی آمد مرکزی قائدین، مشائخ و سکالرز

صاحبزادہ محمد طاہر قادری و تحریک منہاج القرآن جھنگ
0334-6331063 , 0333-6767094